ماہنامہ حیدرآباد

صدائے شبلی

Monthly Hyderabad

SADA E SHIBLI

Issue: 64 :شمارہ Vol: 6 :جلد June 2023 جون

مدیر:

ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی

نائب مدیران:

ڈاکٹر عبدالقدوس

ڈاکٹر سراج احمد انصاری

ابو ہریرہ یوسفی

قیمت فی شمارہ:	20/-
سالانہ:	220/-
رجسٹرڈ ڈاک:	350/-
بیرونی ممالک:	50/-امریکی ڈالر
خصوصی تعاون:	2000/-

SADA E SHIBLI
A/c: 1327102000023922
Ifsc: IBKL0001327
IDBI Bank: CHARMINAR HYD, T.S

Email: sadaeshibli@gmail.com

Mob: 9392533661 - 8317692718

ماہنامہ ''صدائے شبلی'' حیدرآباد میں مقالہ نگاران سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے

مجلس مشاورت:

پروفیسر اشتیاق احمد ظلی۔ پروفیسر مظفر علی شہ میری
پروفیسر محسن عثمانی ندوی۔ پروفیسر ابوالکلام
پروفیسر شاہد نوخیز اعظمی۔ ڈاکٹر محمد الیاس اعظمی
مفتی محمد فاروق قاسمی۔ مولانا ارشاد الحق مدنی
مولانا محمد مساعد ہلال احیائی
اعجاز علی قریشی ایڈوکیٹ۔ محمد سلمان انجینئر

مجلس ادارت:

ڈاکٹر محمد رفیق۔ ڈاکٹر حمران احمد۔ ڈاکٹر ناظم علی
ڈاکٹر مختار احمد فردین۔ ڈاکٹر غوثیہ بانو
ڈاکٹر سید امام حبیب قادری۔ ڈاکٹر سید اسرار الحق سبیلی
ڈاکٹر سمیہ تمکین۔ ڈاکٹر صالحہ صدیقی
ڈاکٹر فاروق احمد بھٹ۔ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان
ڈاکٹر آصف لئیق ندوی۔ ڈاکٹر مظفر علی ساجد۔
مولانا عبدالوحید ندوی۔ مولانا احمد نور عینی
ابو ہریرہ ایوبی۔ محسن خان

ہر طرح کی قانونی چارہ جوئی صرف حیدرآباد کی عدالت میں ہوگی

محمد محامد ہلال (اونر، پبلشر، پرنٹر، ایڈیٹر) نے دائرہ الیکٹرک پریس میں چھپوا کر حیدرآباد تلنگانہ سے شائع کیا

خط و کتابت کا پتہ

MOHD MUHAMID HILAL #17-6-352,
B1, 2nd Floor,Bafana Complex,
Dabirpura Road, Purani Haveli,
Hyderabad- 500023. T.S

فہرست مضامین

۱	اپنی بات	ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی	۵
۲	اخلاقِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم	علامہ شبلی نعمانیؒ	۶
۳	قرآن کا تعارف	مولوی حبیب الرحمٰن	۷
۴	**غزل**	جہانگیر قیاسؔ	۱۰
۵	چیلنج قرآن	مولانا نجم الدین احیائیؔ	۱۱
۶	پروفیسر اصغر عباس مرحوم	ڈاکٹر الیاس الاعظمی	۱۴
۷	**نعت شریف** ﷺ	حافظ وقاری ولی محمد زاہدؔ ہریانوی	۲۰
۸	جہنم کی آگ دنیوی گرمی سے کہیں زیادہ گرم ہے	ڈاکٹر ابوزاہد شاہ سید وحید اللہ حسینی	۲۱
۹	**غزل**	انجم مبارکپوری	۲۳
۱۰	اعظم گڈھ کی مٹی سے اگنے والا روشن آفتاب: علامہ شبلی نعمانی	علیزے نجف	۲۴
۱۱	اپنا سیاسی وزن بنایئے	احمد نور عینی	۲۸
۱۲	**غزل**	پروفیسر حمید نسیم	۳۰
۱۳	سائنس کی رو سے نماز کے فوائد یوگا سے بہتر نماز	سید اصغر	۳۱
۱۴	ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات	خیر النساء علیم	۳۴
۱۵	**غزل**	رخشاں ہاشمی	۳۵
۱۶	**نعت رسول پاک** ﷺ	شاہ عبدالرشید سہیلؔ	۳۶
۱۷	ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی کی دو کتابیں: تعارف ونظر	مبصر: اسامہ ارشاد معروفی قاسمی	۳۷

ماہنامہ ''صدائے شبلی'' کے خصوصی معاونین

جناب **ابوسفیان اعظمی**، مقیم حال ممبئی

جناب **محمد یوسف** بن الحاج محمد منیر الدین عرف ولی مرحوم، حیدرآباد

مفتی **محمد فاروق قاسمی**، صدر علماء کونسل وجے واڑہ، آندھرا پردیش

ڈاکٹر **سید جلیل حسین ایم ڈی** (علیگ) ٹولی چوکی حیدرآباد

مولانا **منصور احمد قاسمی**، معین آباد، تلنگانہ

الحاج **رئیس احمد اقبال**، انجینئر صدر سہارا ویلفیئر سوسائٹی، حیدرآباد

الحاج **محمد زکریا انجینئر** (داماد استاذ الاساتذہ حضرت عبدالرحمٰن جامیؒ)

ڈاکٹر **شہباز احمد**، پروفیسر گورنمنٹ نظامیہ طبی کالج چارمینار، حیدرآباد

مولانا **محمد عبدالقادر سعود**، نائس جوس سینٹر سکندرآباد، حیدرآباد

الحاج **محمد قمر الدین**، نیل کالونی بارکس حیدرآباد

الحاج **محمد عبدالکریم**، صدر مسجد اشرف کریم کشن باغ، حیدرآباد

اپنی بات

۲؍جون ۲۰۲۳ء کو بالاسور اُڑیسہ میں دل دہلا دینے والا دردناک، خوفناک حادثہ تین ٹرینوں کی ٹکر کی وجہ سے پیش آیا، آن ہی آن سینکڑوں نہیں ہزاروں مسافر لقمۂ اجل ہوگئے، اور کافی تعداد میں افراد زخمی ہیں، خداوند قدوس مرنے والوں پر رحم فرمائے، زخمیوں کو شفائے کاملہ عاجلہ دے، پسماندگان، متعلقین کو صبر جمیل دے، آمین۔

ذرائع ابلاغ کی تفصیلات، تصاویر سے پتہ چلتا ہے کہ اس حادثہ میں سسٹم پوری طرح ناکام ثابت ہوا، موجودہ حکومت کی ساری باتیں ہوا ہوگئیں، حادثہ کے بعد بھی مرنے والوں کے اور زخمیوں کے ساتھ جو ناروا سلوک ہوا وہ غیر انسانی نظر آیا، انتظامیہ کو چاہئے کہ غیر جانبداری سے اس کی تحقیق کرے اور مجرمین کو کیفر کردار تک پہنچائے اور آئندہ اس طرح کے واقعات دوبارہ رونما نہ ہوں اس کے لئے حکومت ٹھوس لائحہ عمل تیار کرے۔

اسی ماہ میں فریضۂ حج، عید الاضحیٰ اور قربانی ہے، جس کے پس منظر میں پیش منظر کے لئے بہت ساری راہیں جو دعوتِ فکر اور دعوت اعمال کا ذریعہ ہیں بالخصوص حضرت ابراہیم علیہ السلام کہ انہوں نے راہِ حق، رضائے الٰہی کے لئے کسی کی پرواہ نہیں، گھر سے بے گھر ہوئے، آتش نمرود ہوئے، بیوی بچے کی مفارقت ہوئی، بچے کی حلقوم پر چھری چلادی۔ خانۂ کعبہ کی تعمیر کی ان کی پوری حیات طیبہ کشمکش اور امتحان میں رہی، خود اللہ رب العزت نے فرمایا کہ ابراہیم کے رب نے ان کو آزمائشوں میں ڈالا اور انہوں نے ان آزمائشوں کا مقابلہ کیا اور کامیاب رہے اور پیغام دیا، بقول شاعر مشرق۔

آج بھی ہو جو براہیم سا ایماں پیدا ☆ آگ کر سکتی ہے انداز گلستاں پیدا

فریضۂ حج میں اس گھر کا طواف کیا جاتا ہے جو اول عالم، اصل عالم، وسط عالم اور مرکز عالم ہے۔ حج کے تلبیہ، وقوف، جمرات سعی اور قربانی سے عشق خداوندی کا لازوال مظہر نظر آتا ہے، جس سے دنیا میں اتحاد، بھائی چارگی، تواضع، ایثار کا وجود اور میدان محشر کی یاد آجاتی ہے، خداوند قدوس حج اور قربانی کے فلسفے کو سمجھنے کی توفیق دے، آمین۔

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کا اجلاس مدھیہ پردیش کے اندور شہر میں منعقد ہوا، آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کا قیام ملک میں مسلمانوں کے مسائل پر نمائندگی کرنے کے لئے ہوا ہے، مسلم پرسنل لا بورڈ کے چوتھے صدر حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندویؒ کے انتقال کے بعد اسی بارِ گراں کو علم کے کوہِ گراں پر مسلم پرسنل لا بورڈ کے ارکان نے رکھ دیا ہے، امید ہے کہ نو منتخب پانچویں صدر حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب روشن ماضی سے سبق لیتے ہوئے مستقبل کے نئے نئے چیالنجس کا ڈٹ کر مقابلہ کریں گے، کیوں کہ نو منتخب صدر کو کبار علماء سے استفادہ کا موقع ملا ہے اور اس وقت تحقیق وتنقید کے میدان میں جدید علماء کے ساتھ وابستہ ہیں۔ ادارہ شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل ٹرسٹ نو منتخب صدر کو مبارک باد پیش کرتا ہے۔

تلنگانہ اُردو اکیڈمی نے دیر ہی سہی مگر اُدباء وشعراء اور اساتذہ کو ان کی علمی ادبی خدمات کی وجہ سے اعزاز وایوارڈ سے نوازا، ادارہ تمام ایوارڈ یافتگان کی خدمت میں مبارک باد پیش کرتا ہے۔

محمد محامد ہلال اعظمی

اخلاقِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

علامہ شبلی نعمانیؒ

یہ واقعہ فدک کی فتح کے بعد کا ہے، جو ہجرت کا ساتواں سال ہے، حضرت بلالؓ آنحضرت ﷺ کے مقرب خاص اور گھر کے منتظم تھے، ایک مشرک ان کو حبشی کہہ کر پکارتا ہے اور کہتا ہے کہ ''تجھ سے بکریاں چروا کے چھوڑوں گا'' حضرت بلالؓ اس کی تنگ گیری کے ڈر سے بھاگ جانے کا ارادہ کرتے ہیں، آنحضرت ﷺ یہ باتیں سنتے ہیں لیکن مشرک کی نسبت ایک لفظ نہیں فرماتے، نہ بلالؓ کی حمایت اور دل دہی کی تدبیر کرتے، اتفاق سے غلہ آجاتا ہے اور مشرک کا قرضہ ادا کیا جاتا ہے اور اس کی بدزبانی اور سخت گیری سے درگذر کیا جاتا ہے، یہ حلم وعفو، یہ تحمل رحمتِ عالم کے سوا کس سے ہوسکتا ہے؟

سب سے مشکل معاملہ منافقین کا تھا، یہ کفار کا ایک گروہ تھا، جس کا رئیس عبداللہ بن ابی تھا، آنحضرت ﷺ جس زمانہ میں مدینہ میں تشریف لائے، اس سے کچھ پہلے تمام شہر نے اس پر اتفاق کرلیا تھا کہ وہ مدینہ کا فرماں روا بنادیا جائے، جنگِ بدر کے بعد اس نے اسلام کا اعلان کیا لیکن دل سے کافر تھا، اس کے پیرو بھی اسی قسم کا منافقانہ اسلام لائے اور منافقین کی ایک مستقل جماعت قائم ہوگئی، یہ لوگ در پردہ اسلام کے خلاف ہر قسم کی تدبیریں کرتے تھے، قریش اور دیگر مخالف قبائل سے سازش رکھتے، ان کو مسلمانوں کے مخفی رازوں کی خبر دیتے رہتے، بایں ہمہ بظاہر اسلام کے مراسم ادا کرتے، جمعہ جماعت میں شریک ہوتے اور لڑائیوں میں ساتھ جاتے تھے، آنحضرت ﷺ ان کے حالات اور ایک ایک کے نام ونشان سے واقف تھے لیکن چونکہ شریعت اور قانون کے احکام، دلوں کے اسرار سے نہیں، بلکہ ظاہری اعمال سے متعلق ہیں، اس لیے آپ ﷺ ان پر کفر کے احکام جاری نہیں فرماتے تھے، یہاں تک تو شریعت اور قانون کا معاملہ تھا لیکن فیاض دلی اور عفو وحلم کے اقتضا سے آپ ﷺ ان سے ہمیشہ حسنِ اخلاق کا بھی برتاؤ کرتے تھے۔

ایک دفعہ ایک غزوہ میں ایک مہاجر نے ایک انصاری کو تھپڑ مارا، انصاری نے کہا ''یا للانصار'' (یعنی انصار کی دہائی) مہاجر نے بھی مہاجرین کی دہائی دی، قریب تھا کہ دونوں میں تلوار چل جائے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا ''یہ کیا جاہلیت کی باتیں ہیں'' دونوں رک گئے، عبداللہ بن ابی نے سنا تو کہا مدینہ چل کر ذلیل مسلمانوں کو نکال دوں گا، ساتھیوں سے کہا آسان بات یہ ہے کہ تم لوگ مہاجرین کی خبر گیری سے ہاتھ اٹھالو، یہ خود تباہ ہوجائیں گے، چنانچہ قرآن مجید میں یہ واقعہ مذکور ہے:

هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا. (منافقون: ۶۳:۷) یہی لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ پیغمبر کے ساتھیوں پر خرچ نہ کرو تاکہ وہ منتشر ہوجائیں۔

يَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَا اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ. (منافقون:۶۳:۸) کہتے ہیں کہ جب ہم مدینہ کو واپس چلیں گے تو معزز لوگ کمینوں کو مدینہ سے نکال دیں گے۔

(سیرۃ النبیؐ، جلد: دوم، ص:۲۹۱-۲۹۲)

مولوی حبیب الرحمن۔ حیدر آباد

قرآن کا تعارف

ایمان بالقرآن کا مفہوم

ایمان بالقرآن، قرآن کو اللہ تعالیٰ کی کتاب ماننے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ محض اس کی تعظیم کریں، آنکھوں سے لگائیں اور سر پر رکھیں۔ لیکن اس پر عمل کرنے سے پہلو تہی کریں اور نہ یہ مقصد ہے کہ صبح وشام صرف اس کی تلاوت ہوتی رہے اور پڑھ کر مُردوں کو ایصالِ ثواب کیا جائے بلکہ قرآن پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی تلاوت غور و فکر کے ساتھ کی جائے اور اس سے نصیحت حاصل کر کے بگڑی ہوئی ذہنیتوں کو درست کیا جائے۔

"کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْکَ مُبٰرَکٌ لِّیَدَّبَّرُوْٓا اٰیٰتِهٖ وَلِیَتَذَکَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ" (سورہ ص:29) ترجمہ: (یہ بابرکت کتاب ہے جس کو ہم نے آپ پر نازل کیا ہے تاکہ لوگ اس کی آیتوں میں غور کریں اور تاکہ اہلِ فہم نصیحت حاصل کریں) اور یہ کہ رحمتِ حق کے پیاسے انسان اس بابرکت کتاب کی ہدایتوں پر بہرحال و بہر صورت عمل کر کے خیر و برکت حاصل کریں اور عارضی و ابدی رحمتِ الٰہی، مغفرت وجنّت کے مستحق ہوجائیں۔

"وَهٰذَا کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَکٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ" (سورہ الانعام:155) ترجمہ: (اور یہ بڑی بابرکت کتاب ہم نے نازل کی ہے سو اس کی اتباع کرو اور ڈرو تاکہ تم پر رحمت ہو) قرآن پر ایمان لانے کا صحیح مطلب نہ سمجھنے کا ہی یہ نتیجہ ہے کہ آج امت علماً و عملاً اتباعِ قرآن جیسی اللہ تعالیٰ کی نعمت سے بڑی حد تک محروم ہے، بے راہ روی میں مبتلا ہے جیسا ارشاد ہے کہ "هو حبل الله من اتبعه کان علی الهدیٰ ومن ترکه کان علی الضلالة" (مسلم) (قرآن) خدا کی رسی ہے، جس نے اس کی پیروی کی وہ ہدایت پر ہے اور جس نے اس کو ترک کیا وہ غلط راہ پر پڑ گیا۔)

نیز ہم صرف اپنے حاملِ قرآن ہونے پر اکتفا کئے ہوئے ہے حالانکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکید فرمادی تھی کہ "یا اهل القراٰن لا تتوسدوا القراٰن" ترجمہ: (اے اہلِ قرآن اپنے اہلِ قرآن ہونے پر بھروسہ نہ کر بیٹھو) اور یہ بھی تاکید فرمادی تھی کہ قرآن کی تلاوت سے نصیحت و ہدایت حاصل کرتے رہو ورنہ قرآن تمہارے سینوں سے نکل جائے گا۔ "استذکروا القراٰن فانهٗ اشد تفصّیا من صدور الرّجال عن النعم" قرآن کی تلاوت سے نصیحت حاصل کرتے رہو کیونکہ قرآن سینوں سے بہت جلد نکل جاتا ہے جیسے چوپائے گرفت سے نکل جاتے ہیں)

قرآن کی تلاوت یا تو صرف ایصالِ ثواب و حصولِ ثواب کے لئے رہ گئی ہے یا درس و تدریس اور مناظرہ وہ مجادلہ کے لئے۔ حافظ قرآن بننے اور بنانے کا جتنا شوق ہے عاملِ قرآن (قرآنی تعلیمات پر عمل کرنے والا) اور

عالمِ قرآن (قرآنی تعلیمات کو جاننے کے بعد خود عمل کرتے ہوئے دوسروں تک پہنچانے والا) بننے کا نہ اتنا شوق ہے اور نہ اتنی دلچسپی۔ قرآنی تعلیم کی طرف سے یہی بے توجہی و روگردانی' عام گمراہی کا سبب ہے۔

تفریقِ ملّت کی وجہ

امت میں جو مختلف گمراہ فرقے پیدا ہوگئے ہیں، اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ اس مخزنِ علم سے اسوۂ حسنہ کی روشنی میں قلب ونظر کو منوّر نہیں کیا گیا۔ کیونکہ قرآن مجید میں علم و حکمت کی جو تعلیم ہے وہ باطنی روشنی ہے اور اسوۂ حسنہ ظاہری روشنی ہے۔ انسان کی ہدایت وہبری کے لئے دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ اگر صرف باطنی روشنی ہو (یعنی قرآن) اور ظاہری روشنی (یعنی اسوۂ حسنہ یا سنتِ رسولؐ) نہ ہو تو جس طرح انسان ٹھوکریں کھائے گا اسی طرح ظاہری روشنی ہو اور باطنی روشنی نہ ہو تو انسان ٹھوکریں کھائے گا اور اس کو منزلِ مقصود تک پہنچانے والی راہ راست نصیب نہ ہوگی یاد رہے کہ ابدی' اعلیٰ ولازوال زندگی ہی انسان کی منزل مقصود ہے۔ نیز یہ کہ اسوۂ حسنہ کو سمجھنے کے لئے صحابہ کرامؓ کی روش کو پیشِ نظر رکھنا بھی ضروری ہے۔

منزلِ مقصود کو راست پہنچانے والی راہ کا نام القرآن کی اصطلاح میں صراط مستقیم ہے اور وہ کتاب وسنت کا مجموعہ ہے۔ یعنی القرآن اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ کا اسوۂ حسنہ۔ جیسا کہ اس آیت کریمہ واضح ہوتا ہے۔ "وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ. وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِیْلِهٖ' (سورہ الانعام:153) اور یہ کہ یہ دین میرا راستہ ہے جو کہ مستقیم ہے سو اس راہ پر چلو اور دوسری راہوں پر مت چلو کہ وہ راہیں تم کو اللہ کی راہ سے جدا کردیں گی) اس آیت میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ لوگوں سے کہیئے کہ یہ دین میرا راستہ ہے جو مستقیم ہے پس تم اس پر چلو ورنہ گمراہ ہوجاؤ گے۔ نیز اہلِ ایمان کو یہ جو تاکیدی حکم دیا گیا ہے "وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْم بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَیِّنٰتِ" (سورہ اٰل عمران:105) ترجمہ: (اور تم ان لوگوں کی طرح نہ ہوجانا جنہوں نے (دین میں) باہم تفریق کرلی اور (نفسانیت سے باہم اختلاف کرلیا) ان کے پاس واضح احکام پہنچنے کے بعد)

اس کا مطلب یہی ہے کہ کتاب وسنت کی واضح روشنی کو اگر اپنی عقل کا رہبر نہ بناؤ گے تو تفریق ملت کی لعنت میں مبتلا ہوجاؤ گے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی متنبہ فرمادیا تھا کہ میرے بعد کتاب وسنت ہی ایک ایسی مضبوط رسی ہے جس کو اگر مضبوط پکڑے رہوگے تو کبھی گمراہ نہ ہوگے۔ "انی قد ترکت فیکم شیئین لن تضلوا بعد هما ابدا کتاب الله و سنتی" (مستدرک حاکم) ترجمہ: (میں تم میں دو چیزیں کتاب اللہ اور اپنی سنت چھوڑے جاتا ہوں جس کے بعد تم کبھی بے راہ نہ ہوگے) ان تاکیدی ہدایتوں سے بے رخی برتنے کا نتیجہ ظاہر ہے کہ امت میں مختلف گمراہ فرقے پیدا ہوئے اور ہوتے جارہے ہیں۔

مثلاً شیعہ' خارجی' قدری' جبری' قادیانی' بہائی' آغا خانی' مہد وغیرہ۔ اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ صراحت فرمادی کہ ایک ہی فرقہ راہ نجات پر ہوگا اور وہ وہی ہوگا جس کی دانش وبینش وروش میرے اور میرے اصحابؓ کے طریقہ کے مطابق ہوگی۔ "ماانا علیه واصحابی" (متفق علیہ)۔ ہر وہ شخص جو اپنے کو امتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سمجھتا ہے اس کے لئے

سلامتی کی راہ یہی ہے کہ وہ اپنی دانش وبینش وروش کو اس معیار پر جانچے اور دیکھے کہ وہ صحابہ کرامؓ کے عقیدہ وعمل کے مطابق ہے یا نہیں۔ اور جو عقیدہ اور عمل بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وصحابہ کرامؓ کے عقیدہ وعمل کے مطابق نہیں ہے اس کی اصلاح کرے۔ کیونکہ موت کے بعد پیش آنے والی شدید تکالیف سے محفوظ رہنے کی یہی واحد صورت ہے۔

فرقۂ اہلِ قرآن

آج ہر شخص قرآن مجید کی من مانی تاویلات کر کے گمراہی کے دروازے کھول رہا ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ اپنے آپ کو اسوۂ حسنہ اور روش صحابہؓ سے بے نیاز سمجھتا ہے اور اس طرح امت میں فتنہ پھیلاتا جارہا ہے مثلاً یہ کہ قرآن میں صرف تین ہی نمازیں فرض ہیں اور اللہ اکبر کہنے کا قرآن شریف میں ذکر نہیں ہے نہیں ہے اور بقرعید میں کعبۃ اللہ کے سوا کسی اور مقام پر قربانی کا حکم نہیں ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے آل واصحابؓ پر درود بھیجنے کا بھی کہیں حکم نہیں ہے۔ مختصر یہ کہ قرآن مجید میں جو حکم ہے بس اسی کو مانو۔ شائد اسی لئے مخبرِ صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے ہواپرست شکم پرور لوگوں سے پہلے ہی خبردار کردیا تھا منجملہ ان احادیث کے ایک حدیث ملاحظہ ہو۔

"عن ابی رافع قال، قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا الفین احدکم متکئًا علٰی اریکتهٖ یاتیهِ الامر من امری ممّا امرت بهٖ اونهیت عنه فیقول لا ادری ماوجدنا فی کتاب اللہ تبعناہ" (احمدؒ ترمذیؒ ابوداؤدؒ ابن ماجہ) ترجمہ: (ابی رافع نے کہا کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پاتا ہوں میں تم میں ایک مغرور شخص کو کہ جب اس کے پاس میرا کوئی امر یا نہی پہنچے تو کہے کہ میں اس کو نہیں جانتا میں تو جو کچھ کتاب میں پاتا ہوں اسی کی پیروی کرتا ہوں) نیز آپ نے یہ بھی وضاحت فرمادی "الا وانی واللہ قد أمرت ووعظت ونهیت عن اشیاء انها لمثل القرآن (الٰی اخرہ)" (ابوداود) ترجمہ: (خبردار رہو تحقیق قسم ہے اللہ کی کہ میں نے جو حکم دیا ہے، نصیحت کی ہے اور بہت سی چیزوں سے منع کیا ہے وہ امر ونہی مثل قرآن کے ہے) ان ارشادات سے ثابت ہوتا ہے کہ ہدایات وسنّتِ نبویؐ اور صحابہ کرامؓ کی روش سے اعراض کر کے قرآن مجید کو سمجھنے کی کوشش کرنا بڑی ہی گمراہی ہے۔

روایات کی تقلید

افسوس ہوتا ہے کہ امت کا پڑھا لکھا دیندار طبقہ بھی روایات کی گھاٹیوں میں ایسا گھرا ہوا ہے کہ بزرگوں کے کشف وارشاد سے ہٹ کر قرآن کو سمجھنا گناہِ عظیم سمجھتا ہے۔ کشف وارشاد کی تعبیر قرآن کے تحت کرنے کے بجائے قرآنی آیات کی تعبیر وتفسیر کشف وارشاد کے تحت کی جارہی ہے اور قرآن مجید کے محکمات کو سمجھنے کی بجائے متشابہات کو سمجھنا کمالِ علمی قرار دیا جارہا ہے۔ اس جامد تقلید کا نتیجہ یہ ہوا کہ وحدۃ الوجود فنا وبقاء، تنزلات ستہ وغیرہ کو قرآنی واسلامی تعلیم کا ایک اہم واعلٰی جز بنادیا گیا اور یہی قرب وصدیقیت کی تعلیم قرار دی گئی اور قرآن کریم کو اسرار وغوامض کا مجموعہ سمجھ لیا گیا۔

نزولِ قرآن کا مقصد

قرآن مجید جس میں بندوں کو بندگی، انسانوں کو انسانیت سکھائی جارہی ہے جس کی دعوت اور جس کے نزول کا مقصد یہ ہے کہ انسانوں میں بندگی کا شعور بیدار رہے اور خودمختاری وآزادی کا پندار فنا ہوجائے اور آخرت کی خیر واقعی زندگی اور اس کے بلند مدارج کو بندے مطلوب ومقصود

بنالیں۔ کیونکہ اسی سے طالب حق کے نفس کا تزکیہ ہوتا ہے اور قلب کی تطہیر۔ اور وہ مردِ مجاہد بندۂ جاں نثار و جاں باز اور خلیفۃ الارض بن سکتا ہے جس کے بغیر انسان کو آخرت کی خیر و ابقی زندگی عطا نہیں کی جاتی۔

خلافت

انسان جو دنیا میں اللہ کا بندہ بھی ہے اور زمین کا خلیفہ بھی ہے اس کو بندگی کی تعلیم اس لئے دی جاتی ہے کہ اس میں خلافت (یعنی خلافتِ ارض) اور نیابتِ الٰہی کا شعور بیدار ہو جائے اور وہ فرائض خلافتِ ارض انجام دینے کے قابل بنے۔ خلافتِ ارض یہ ہے کہ انسان اپنی ذات اور اپنے دائرہ اثر و حکومت میں، چاہے وہ کتنا ہی محدود ہو، الٰہی تعلیم و ہدایت جاری و نافذ کرے اور جان و مال کے ضرر کا لحاظ کئے بغیر، ملامت کرنے والوں کی ملامت سے بے پرواہ ہو کر تمام انسانوں کو بھی دعوتِ خیر و صلاح دیتا رہے۔ مگر افسوس کہ بندگی و خلافتِ ارض کا یہ قرآنی و فطری شعور، انائے واحد، وجود واحد، اور یافت و شہود جیسے دلفریب و خواب آور تصورات میں گم ہو گیا۔

یہی وہ اسرار ہیں جو وحدۃ الوجود، فناء و بقاء وغیرہ کی تعلیم کا ماحصل ہیں یہی تعلیم، اللہ تعالیٰ کے اسماء ''الحیّ القیّوم'' کی تفسیر و تشریح اور رشد و ہدایت کے نام سے رائج ہے۔ بہ توفیقِ الٰہی عرض کرتا ہوں کہ یہ تعلیم نہ قرآنی ہے اور نہ نبوی، یعنی اسلامی تعلیم کا اعلیٰ جز ہونا تو کجا ادنی جز بھی نہیں ہے۔ یہ تمام عجمی قوموں کے افکار ہیں جو غیر شعوری طور سے اسلامی تعلیم میں داخل ہو گئے۔ دین و کمالِ دین کی یہی گم صم، قوائے غور و فکر کو معطل کر دینے والی تعلیم، صدیوں سے دنیائے اسلام میں رائج ہے۔ اس نام نہاد قرآنی تعلیم کو دیکھ

جہانگیر قیاسؔ۔ حیدرآباد

غزل

سیدھا وہ کاروبار کرتا ہے
خود کو جو خاکسار کرتا ہے

میرا دل بھی عجیب لگتا ہے
غیر کو رشتے دار کرتا ہے

راز تیرا ہے تو چھپا لینا
کیوں مجھے راز دار کرتا ہے

بار بار اس کو بھول جاتا ہوں
یاد وہ بار بار کرتا ہے

اُس کا مالک ہی اب محافظ ہے
جو خطا بے شمار کرتا ہے

کامیاب اس کی زندگی سمجھو
وہ جو دشمن کو یار کرتا ہے

درد تیرا ہے تو سنبھال قیاسؔ
دل کو کیوں تار تار کرتا ہے

کر اگر تعلیم یافتہ یا مذہبی طبقہ، افترائی ادیان والوں کی طرح یہ سمجھنے پر مجبور ہو جائے کہ دین الگ ہے اور سیاست الگ ہے تو ان بے چاروں کا کیا قصور۔ ورنہ دینِ حق کی تعلیم میں تو دینی حرکت و بیداری اور سیاسی حرکت و بیداری کا ایک ہی مفہوم ہے۔ (ماخوذ: رہنمائے فطرت، ص: ۵۳-۵۹)

مولانا نجم الدین احیائیؒ

چیلنج قرآن

تاریخ عالم اٹھالیں، اور ایک ایک ورق الٹ ڈالیں، آپ قرآن کے علاوہ ایک بھی ایسی کتاب نہ پائیں گے جو اپنے مصنف کی طرف سے چیلنج کرے کہ اگر اس کتاب میں تمہیں کوئی خرابی نظر آرہی ہے تو اس کے ایک باب ہی جیسا کوئی باب لکھ ڈالے اور کمال یہ ہے کہ یہ چیلنج پوری دنیا کو ہوا اور زمان ومکان کی کوئی قید بھی اس کے ساتھ نہ لگی ہو، عربی ہو یا عجمی، ایرانی ہو یا افغانی، ہندی ہو یا مصری، یورپ کے گورے ہوں یا افریقہ کے کالے، روس کے دانشور ہوں یا امریکہ کے مدبر، قرآن نے سب کو چیلنج دیا، جو چودہ سو برس سے آج تابہ بانگ دہل قائم ہے، اور مزید بات یہ ہے کہ اس چیلنج میں یہ بات بھی صاف صاف کہہ دی گئی ہے کہ اس کا جواب کبھی ممکن نہیں۔

گذشتہ تقریبا ایک ہزار چار سو سالوں نے اس بات کی گوائی دے دی ہے کہ یہ کتاب اپنے دعوی اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ (الحجر:۹) کے مطابق بالکل صحیح اتری، اس کے نزول کے وقت سے آج تک اس کے کسی شوشہ اور نقطہ میں سرمو بھی فرق نہ آیا، اس کتاب نے جو خبر دی سچی تھی جو بات کہی پکی تھی، جو حقائق ضمنا بھی بیان کئے گئے وہ سائنس کے اکتشافات اور جدید علوم کے معیار پر پورے اترے۔

جس طرح اس کے بیان کردہ تمام حقائق، اس کی پیشن گوئیاں صحیح ثابت ہوئیں اسی طرح اس کا یہ کہنا:

وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَاءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ ، فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوْا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ اُعِدَّتْ لِلْكَافِرِيْنَ .

(البقرۃ:۲۳،۲۴)

اگر تمہیں ہماری نازل کردہ باتوں میں شک ہے تو پھر اس کے ٹکر کی ایک ہی سورہ لاؤ اور جس کو چاہو خدا کو چھوڑ کر اپنی مدد کے لئے بلالو اگر تم سچے ہو، لیکن اگر تم ایسا نہ کرسکو اور تم ہرگز نہ کرسکو گے تو پھر اس آگ سے ڈرو جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے، جو کافرین کے لئے تیار کی گئی ہے۔

کیا کسی نے اس چیلنج کا جواب دینے کی کوشش کی؟

کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ قرآن مجید کے اس چیلنج کی کسی نے اہمیت ہی نہ دی ورنہ اس کا جواب دینا کوئی بڑی مشکل بات نہیں ہے، یہ بات اس وقت صحیح کہی جاسکتی تھی جب قرآن ایک گمنام کتاب کا نام ہوتا، قرآن کا پیغام جب مکہ کی گلیوں میں آخری رسول ﷺ کی زبان سے گونجا تو پورے مکہ میں ایک بھونچال آگیا، قرآن کی مخالفت میں کیا

کیا نہیں کہا گیا، قرآن کی آواز دبانے کے لئے کیا کیا جتن نہیں کئے گئے، کون سی ترکیب تھی جو اس حق وصداقت کی صدا کو گم کردینے کے لئے نہیں کی گئی، مگر کسی کو یہ جرأت نہ ہوسکی کہ اس کے مقابلہ میں ایک سورت بھی پیش کردے یہ چیلنج ابتداء مکہ (۱) میں دیا گیا۔

قرآن کی چھ سورتیں ہیں جن میں چیلنج کا ذکر ہے، پانچ سورتیں مکی ہیں اور صرف ایک سورت مدنی ہے، چیلنج کی ابتدا مکہ سے ہوتی ہے اور ایک بار نہیں پورے چھ بار چیلنج کیا جاتا ہے، کون سی طاقت تھی جو اس چیلنج کا جواب دینے سے کسی کو روک سکتی تھی؟ طور، ہود، یونس، قصص، بنی اسرائیل یہ سب مکی سورتیں ہیں جسے شک ہو قرآن اٹھا کر دیکھ لے، صرف سورہ بقرہ مدنی ہے جو بالکل ابتدا میں نازل ہوئی جب مسلمان بہت کم تھے اور کمزور تھے، اس سورہ میں چیلنج کے الفاظ آخری بار کہے گئے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی کہہ دیا گیا ہے اے مخالفو! تم سے نہ ہوسکے گا۔

یہ بات بھی نہیں ہے کہ جواب دینے کی کوشش نہیں کی گئی، قرآن کی تاثیر دیکھ کر دور نبوت ہی میں کچھ لوگ پیدا ہوئے جنہوں نے قرآن کی طرح کچھ پیش کیا لیکن عموماً وہ اتنا مضحکہ اور بے وقعت تھا کہ آج کے دور میں سلیم الطبع آدمی اپنی تصنیف میں اس کا ترجمہ کرنا بھی تہذیب کے خلاف سمجھتا ہے، بڑے بڑے ادیب، مفکر اور ذہین انسانوں نے مثل پیش کرنے میں اپنے قیمتی اوقات صرف کئے مگر انہیں حیرانی کے علاوہ کچھ نہ مل سکا، (۱) پھر سب سے بڑی اہم بات یہ ہے کہ قرآن مجید نے جس وقت چیلنج کیا صرف گنے چنے اشخاص نعمت ایمان سے سرفراز ہوئے تھے جن کی اکثریت مشرکین مکہ کے ظلم وستم کا نشانہ بنی ہوئی تھی، یہ مان لیا کہ مدینہ میں آنے کے بعد چند سالوں میں اسلامی دعوت پھیلی مگر اسلامی مجاہدوں کی تلوار دور رسالت میں عرب کی سرحدوں تک ہی محدود رہی جب کہ عربی زبان کے جاننے والوں کی کثیر تعداد قیصر وکسری کے درباروں میں موجود تھی، بالفرض تلوار کی طاقت عربوں کو مرعوب کرسکتی تھی مگر عرب سے باہر جو بھی چاہتا قرآن کا جواب دے سکتا تھا مگر تاریخ ایک بھی ایسی مثال پیش کرنے سے عاجز ہے۔

عیسائی پادریوں کی اکثریت انتہائی دھاندلی سے یہ بات کہتی رہی ہے کہ اسلام تلوار سے زور سے پھیلا مگر تاریخ نے یہ ثابت کردیا ہے کہ آج بھی جب مسلمانوں کے ہاتھوں کی تلواریں ٹوٹ چکی ہیں اسلام پھیل رہا ہے، آج بھی جب مسلم حکومتوں کو اپنی عزت بچانا مشکل ہورہا ہے قرآن چیلنج کرتا ہے مگر کسی گوشہ سے کوئی جواب نہیں آتا حالانکہ کسے معلوم نہیں ہے کہ دور حاضر میں دوسرے علم کے ساتھ ''علم لسانیات'' اتنا ترقی یافتہ ہوچکا ہے کہ آج سے چودہ سو برس پہلے اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا، آج دنیا کے تقریباً تمام ممالک کے ریڈیو عربی میں خبریں نشر کرتے ہیں مگر پھر بھی کوئی اہل قلم قرآن کے چیلنج کا جواب دینے کے لئے تیار نہیں۔

قرآن کے چیلنج کا مفہوم:

بلاشبہ قرآن نے جو شاندار زبان استعمال کی ہے وہ اتنی فصیح وبلیغ ہے کہ دنیا آج تک اس کا مثل نہ پیش کرسکی، بجا طور پر احادیث میں اسے معجزہ کہا گیا ہے، لیکن کیا قرآن کا چیلنج فصاحت وبلاغت کے اعتبار سے ہے یا معنی کے اعتبار سے؟ یہ ایک اہم سوال ہے، مصنف کے نزدیک قرآن کا چیلنج اصالتاً معنوی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن ساری دنیا سے یہ کہتا ہے کہ میں جس نظریات کا علمبردار

ہوں اوران نظریات پر میں نے جو دلائل قائم کئے ہیں تم اگر انہیں تسلیم نہیں کرتے تو کوئی اور نظریہ پیش کرو، اوران پر اسی طرح دلائل پیش کرو جس طرح قرآنی نظریات پر دلائل پیش کئے گئے ہیں۔

واقعہ ہے کہ زمان ومکان کی قید کے بغیر چیلنج دینے کی واحد شکل ہے کہ اسے چیلنج معنوی مانا جائے، کیونکہ نظریات دائمی ہوتے ہیں اورانہیں ہر زبان میں رد کیا جاسکتا ہے، الفاظ کی خوبی صرف اسی وقت تک موجود رہتی ہے جب تک کہ وہ زبان استعمال کی جائے، اور جہاں اس کا ترجمہ دوسری زبان میں کر دیا جائے ضروری نہیں کہ دوسری زبان میں آنے کے بعد بھی وہ خوب باقی رہے، یہی وجہ ہے کہ جمہور علماء اس طرف گئے ہیں کہ قرآن کا چیلنج ساری دنیا کے لئے اور دائمی ہے۔

قرآن جس دور میں نازل ہوا، اس وقت عربی ہوں یا عجمی اتنا ترقی یافتہ نہ تھے، جتنے آج ہیں، صنعتی انقلاب کے بعد دنیا جس تیزی سے ترقی کر رہی ہے وہ خلاف قیاس ہو یا نہ ہو، حیرت انگیز ضرور ہے، قدریں خود ہی بدل رہی ہیں، تصورات وتخیلات کی دیواریں بھی ایک ایک کر کے گر رہی ہیں، سائنسدانوں نے اگر اپنے انکشافات کے ذریعہ بہت سے مزعومات کو باطل قرار دیا ہے تو فلسفہ جدید کے معماروں نے خیالات ونظریات کے میدان میں ایک زلزلہ کب کیفیت پیدا کر دی ہے اس وقت وہی نظریہ باقی رہ سکتا ہے جس میں حقائق سے نظریں چار کرنے کی ہمت ہو ورنہ وہ فنا ہو جائے گا۔

علم سیاسیات، علم سماجیات، علم اخلاقیات، علم اقتصادیات مستقل فن بن چکے ہیں، جن کے ہر ہر جزء پر ضخیم کتابیں لکھی جا چکی ہیں اور برابر لکھی جارہی ہیں، اب آج کے دور میں کسی کو یہ کہہ کر مطمئن نہیں کیا جاسکتا کہ ''ہمارے باپ دادا یہی کرتے آئے ہیں اس لئے ہم بھی یہی کریں گے ''اور نہ آج کے دور میں الفاظ کی اتنی اہمیت ہے جو چند صدیوں پہلے تھی، آج آپ کتنے ہی فصیح وبلیغ الفاظ میں کوئی بات پیش کریں اور اگر وہ تجربہ کی کسوٹی پر پوری نہیں اترتی تو اسے کوئی قابل اعتنا نہ سمجھے گا، دنیا کے اتنے ترقی یافتہ ہونے کے باوجود ''قرآن کا چیلنج'' اپنی جگہ پر ہے، اور دنیا والوں سے صاف صاف کہہ رہا ہے کہ میری تعلیمات ہی صحیح ہیں، ان الدین عند اللہ الاسلام'' یعنی بلا شبہ اللہ کے نزدیک صحیح دین اسلام ہے۔

قرآن اصلاً ایک ایسی کتاب ہے جو بتاتی ہے کہ انسان ایک انسان کی حیثیت سے کیسے رہے؟ کس چیز کا عقیدہ رکھے؟ کیسی زندگی گذارے؟ وہ نہ تو بیالوجی کی کوئی کتاب ہے نہ کمسٹری کی، نہ باٹنی کی کوئی کتاب ہے نہ جیالوجی کی، قرآن چند نظریات کا علمبردار ہے'' خدا ایک ہے اس دنیا میں جو کچھ کیا جائے گا اس حساب وکتاب کرنے کے بعد دینا ہوگا وغیرہ وغیرہ'' انہیں چند نظریات کی شاخیں ہیں جن کے مجموعہ کا نام اسلام ہے، جو آج بھی اس ترقی یافتہ دور میں سب سے کامیاب مذہب ہے اور آج تک اس کے کسی اصول کو عقلی دلائل کے ماتحت چیلنج کرنے کی کسی کو ہمت نہ ہوئی، ضد، ہٹ دھرمی، تمسخر، دھاندھلی برتنے والے اس کے ساتھ پہلے بھی تھے اور آج بھی ان کی تعداد کم نہیں ہے مگر حقیقت حقیقت ہی ہے، سونا سونا ہی ہے، جتنا ہی پرکھا جائے گا اس کی قدر بڑھتی جائے گی۔

☆☆☆

ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی۔ اعظم گڑھ

پروفیسر اصغر عباس مرحوم

۷؍ستمبر ۲۰۲۲ء کو اردو کے نامور اہل قلم، عاشق سرسید اور علی گڑھ تحریک کے ایک بڑے شیدائی پروفیسر اصغر عباس صاحب سابق صدر شعبہ اردو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالی ان کی مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا کرے۔ آمین

پروفیسر اصغر عباس صاحب کا آبائی وطن ضلع اعظم گڑھ کا ایک معروف اور مردم خیز گاؤں بی بی پور تھا، جہاں کے برگیڈیر عثمان اور ان کی بہادری سے ملک کا بچہ بچہ واقف ہے۔ دارالمصنفین کے سابق رفیق، تاریخ ''دولت عثمانیہ'' کے مصنف اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبہ اردو کے سابق استاد ڈاکٹر محمد عزیر (۱۹۰۴-۱۹۹۵ء) بھی اسی بی بی پور کی خاک سے اٹھے تھے۔ دارالعلوم دیوبند کے صدر مفتی اور مشہور عالم دین مولانا نظام الدین اعظمی (۱۹۱۰-۲۰۰۰ء) کا تعلق بھی اسی سرزمین سے تھا۔

بی بی پور غالباً عہد فیروز شاہ تغلق (۱۳۰۹ - ۱۳۸۸ء) میں آباد ہوا۔ یا کم از کم پروفیسر اصغر عباس مرحوم کے جد امجد سمرقند و بخارا سے آکر اسی عہد میں بی بی پور میں آباد ہوئے، جن کا نسبی تعلق حضرت ابوایوب انصاریؓ میزبان رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سے تھا۔

پروفیسر اصغر عباس مرحوم بی بی پور میں ۹؍اکتوبر ۱۹۴۱ء کو پیدا ہوئے۔ ان کی رسم بسم اللہ یہیں ادا ہوئی اور ابتدائی تعلیم و تربیت بھی ایک مولانا کے ہاتھوں انجام پائی۔ یہاں سے ان کے والد حاجی محمد علی عباس نے ہجرت کی اور گورکھپور شہر میں اونچوا کے مقام پر جا بسے، جہاں ان کی عزیز داری بھی تھی۔ اس طرح نقل مکانی سے اصغر عباس صاحب گورکھپور کے ہوگئے۔ گذشتہ صدی میں خدا جانے کیا معاملات پیش آئے کہ اعظم گڑھ کے متعدد قصبات و مواضعات اور بعض شرفا کی بستیوں سے لوگ نقل مکانی کرکے گورکھپور، لکھنؤ، بمبئی اور بعض دوسرے شہروں میں جا بسے اور اعظم گڑھ کی بعض بستیاں اہل علم و ادب سے سونی اور ویران ہوگئیں۔

پروفیسر اصغر عباس صاحب کو بی بی پور سے بڑا تعلق تھا۔ اور اس کا وہ برابر ذکر بھی کیا کرتے تھے۔ انہیں اعظم گڑھ کا ہونے پر فخر بھی تھا، مگر ساتھ ہی وہ مجھ سے اکثر یہ بھی کہا کرتے تھے کہ اعظم گڑھ والے مجھے اعظم گڑھ کا نہیں سمجھتے ہیں۔ ایک بار میں نے ہنس کر یوں ہی کہہ دیا کہ بعض لوگ تو یہ کہتے ہیں کہ خود اصغر عباس صاحب اعظم گڑھ والوں کو اپنا کب خیال کرتے ہیں؟ اس بات پر وہ ہنسے اور کہنے لگے کہ فلاں نے آپ سے یہ بات کہی ہوگی۔

چار پانچ برس پہلے اعظم گڑھ گزیٹیر میں بی بی پور کے ذکر سے اصغر عباس صاحب کو معلوم ہوا کہ ان کے جدامجد انصاری تھے۔ان کے جدامجد کا نام بھی درج تھا۔اور یہ بھی کہ ان کے ایک بزرگ چکلہ اعظم گڑھ کے قاضی کے عہدہ پر فائز تھے۔انہوں نے مجھ سے فون پر کہا کہ بھئی الیاس صاحب ضلع اعظم گڑھ کے گزیٹیر سے معلوم ہوا ہے کہ ہمارے جدامجد انصاری تھے۔بی بی پور کے ذکر میں لکھا ہوا ہے۔میں نے ازراہ مذاق کہا کہ مجھے تو پہلے سے معلوم ہے کہ آپ انصاری ہیں۔اب آپ خاموشی اختیار کیجئے اور کسی سے اس کا ذکر نہ کیجئے گا۔اس پر وہ خوب ہنسے اور دیر تک ہنستے رہے۔پھر کہنے لگے کہ نہیں بھئی میں مجاہد آزادی ڈاکٹر مختار انصاری والا انصاری ہوں۔میں نے کہا کہ یہ آپ کی تشریح ہے،گزیٹیر میں تو یہ بات نہیں لکھی ہوئی ہے۔اس پر وہ اور ہنسے اور پھر کہا کہ اب آپ جو کہئے۔ایسے نیک،شریف،منکسر المزاج اور بے تکلف بزرگ کا دنیا سے جانا میرے لئے کس قدر تکلیف کا باعث ہوا ہے،وہ بس میں ہی جانتا ہوں۔افسوس کہ سرسید تحریک کی یہ خوب صورت، بلند اور توانا آواز اب ہمیشہ کے لئے خاموش ہوگئی۔

پروفیسر اصغر عباس صاحب ابتدائی تعلیم کے بعد جب گورکھپور گئے تو وہاں کے مشہور کالج میاں صاحب جارج اسلامیہ کالج کے درجہ چہارم میں داخل ہوئے۔یہ بڑا تاریخی کالج ہے۔اس سے بڑے نامور اشخاص ادبا و شعرا پیدا ہوئے۔ان میں سب سے نمایاں نام شمس الرحمٰن فاروقی (۱۹۳۵-۲۰۲۰ء) کا ہے۔ڈاکٹر اصغر عباس صاحب کے دور طالب علمی میں فاروقی صاحب ان کے سینئر طالب علم تھے۔اور ان کی ادبی سرگرمیوں کا بڑا ذکر تھا۔اس زمانہ میں ان کے مضامین،افسانے اور تراجم وغیرہ ماہنامہ معیار میرٹھ میں شائع ہو رہے تھے۔ممتاز ادیب و شاعر ڈاکٹر ابرار اعظمی (۱۹۳۶-۲۰۲۰ء) فاروقی صاحب کے ہم سبق تھے۔ان کی شاعری کا بھی آغاز ہو چکا تھا۔ان کے علاوہ جارج اسلامیہ کالج کے اساتذہ اور طلبہ ادبی سرگرمیوں میں بھرپور حصہ لے رہے تھے۔ابرار صاحب نے اپنے ایک مضمون میں اس کا ذکر کیا ہے۔پروفیسر اصغر عباس صاحب بھی ان سرگرمیوں کا حصہ بنے۔وہاں سے انہوں نے ہائی اسکول اور انٹر میڈیٹ پاس کر کے گورکھپور یونیورسٹی سے بی اے اور ایم اے کیا۔یہاں انہیں ڈاکٹر محمود الٰہی کی سرپرستی حاصل رہی۔

پروفیسر اصغر عباس صاحب ابتدا سے ہونہار اور محنتی طالب علم تھے۔ابھی اتفاقیہ ۱۹۶۰ء کی گورکھپور یونیورسٹی کے بزم ادب کی رپورٹ اس کے سالانہ مجلّہ ''افکار نو'' میں نظر آ گئی،جس کے سکریٹری پروفیسر اصغر عباس صاحب تھے اور پروفیسر محمود الٰہی (۱۹۳۰-۲۰۱۴ء) سرپرست۔اس رپورٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ابتدا ہی سے لکھنے پڑھنے اور مطالعہ سے دلچسپی رکھتے تھے اور ادبی سرگرمیوں میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لینے والوں میں تھے۔اس میں ان کا جو مضمون شامل ہے وہ دور طالب علمی میں ان کی پختہ مشقی کی شہادت دے رہا ہے۔اس میں انہوں نے گورکھپور کی صحافت کا جو کسی زمانہ میں نہ صرف شعر و ادب بلکہ اردو کی صحافت کا ایک مرکز تھا بڑا عمدہ تعارف کرایا ہے۔

پروفیسر اصغر عباس صاحب نے اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔گورکھپور یونیورسٹی سے اردو میں ایم اے کرنے کے بعد علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے پہلے لائبریری سائنس میں سند لی،پھر شعبہ اردو میں نامور ادیب و نقاد پروفیسر آل احمد

سرور(۱۹۱۱-۲۰۰۲ء) کی نگرانی میں پی ایچ ڈی کی۔کچھ دنوں تک انجمن ترقی اردو اور اس کے رسائل ہماری زبان اور اردو ادب سے بھی وابستہ رہے۔ ۱۹۶۹ء میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے شعبہ اردو میں استاد منتخب ہوئے۔ بعد ازاں ترقی کر کے صدر شعبہ مقرر ہوئے۔ سرسید اکیڈمی کے بھی ڈائرکٹر رہے۔ عمدہ اور بلند پایہ کتابیں لکھیں۔ بڑے وجیہ و شکیل تھے،مگر ان سب خصوصیات وامتیازات کے باوجود ترفع اور پندار نام کو نہ تھا۔ہم خوردوں پر بڑے مہربان رہتے اور ہمیشہ تعاون کے لئے تیار رہتے۔ ہمارے دوست ڈاکٹر محمد طاہر صاحب صدر شعبہ اردو شبلی نیشنل پی جی کالج اعظم گڑھ نے ان کی زیر نگرانی علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ کی ۵۰ سال کی توضیحی فہرست بنا کر ایم فل کی سند لی ہے،انہوں نے بھی ان کی اس خوبی شرافت وشائستگی کا ستائشی الفاظ میں ذکر کرتے ہیں۔وہ واقعی بڑے خاکسار اور وضع دار شخص تھے۔ بالکل عام سی زندگی گذاری۔ان کی گفتگو میں بھی کبھی لب ولہجے کی سختی اور تندی نہیں دیکھی۔ گفتگو بڑی نرم اور عمدہ کرتے تھے۔اس کا انہیں خاص سلیقہ تھا۔اپنی بات ٹھہر ٹھہر کر بڑی وضاحت سے کرتے۔ ایسا محسوس ہوتا گویا اپنی بات تسلیم کرانے کے لئے زور دے رہے ہیں،لیکن ایسا بالکل نہ تھا بلکہ ان کا گفتگو کا یہ انداز تھا۔ البتہ بات اگر سرسید احمد خاں کی آجائے تو پھر وہ کوہ گراں ہوجاتے اور اپنے موقف سے ذرا بھی نہ ہٹتے۔اور اس خاص معاملہ میں بڑی سے بڑی شخصیت کا بھی وہ کچھ خیال نہ کرتے اور اپنے موقف پر قائم رہتے۔

وہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبہ اردو کے ایک اچھے اور بڑے مخلص استاد تھے۔ان کا شمار مسلم یونیورسٹی کے محنتی اور باصلاحیت اساتذہ میں ہوتا ہے۔وہ اردو زبان وادب پر بڑی گہری نگاہ رکھتے تھے۔اور نہ صرف تاریخ ادب اردو سے بلکہ عہد حاضر میں اردو کے مسائل ومشکلات سے بھی پوری طرح واقفیت رکھتے تھے۔ اور اکثر اس کا ذکر بھی کیا کرتے تھے اور چاہتے تھے کہ جلد یہ مسائل حل ہوجائیں۔

علی گڑھ ان کا قبلہ وکعبہ تھا۔اس پر اور اس کی ہر ادا پر وہ جان چھڑکتے تھے۔علی گڑھ مسلم یونیورسٹی اور اس کے بانی سرسید احمد خاں سے انہیں عشق تھا۔اور ایسا والہانہ عشق جس کا اظہار وہ نہ بھی کرتے تب بھی ہر محفل ومجلس میں ان کے انداز اور لب ولہجے سے خود بخود عیاں ہوجاتا تھا۔ بات کسی کی ہوتی وہ سرسید تک جا پہنچتے۔ان کی ہر بات سرسید اور ان کی عظمت پر جا کر ختم ہوتی تھی۔ اس معاملہ میں وہ دل کے ہاتھوں مجبور تھے،مگر شاید یہی ان کا عشق حقیقی تھا،جس نے انہیں تاحیات سرسید،ان کی صحافت اور ان کی فکر ونظر کے مطالعہ وتحقیق،تصنیف اور سرسید پر مسلسل کام کے لئے انہیں آمادہ رکھا اور انہوں نے انتہائی اہم ادبی خدمات انجام دیں اور بڑی قابل قدر کتابیں سپرد قلم کیں۔ ان کی تصانیف کے نام یہ ہیں:

سرسید احمد خاں ترجمہ، سرسید کی صحافت، سرسید اقبال اور علی گڑھ، سرسید کی تعزیتی تحریریں، انتخاب مضامین علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ، اردو کا جمالیاتی ادب اور علی گڑھ، سرسید کا سفرنامہ مسافران لندن، مولوی سمیع اللہ خاں کا سفرنامہ مسافران لندن، انتخاب مضامین ذکاء اللہ دہلوی، رشید احمد صدیقی آثار و اقدار، عرفان سید حامد، علی سردار جعفری شخصیت اور فن، ارمغان آل احمد سرور، ضیا بار افراد کے خطوط۔وغیرہ

سرسید کی صحافت پر انہوں نے جو کتاب لکھی ہے وہ اپنے مشمولات کے لحاظ سے ایک لاجواب کتاب ہے۔ سرسید نے جن اخبارات و رسائل کو جاری کیا اور ان کے لئے جدوجہد کی پروفیسر اصغر عباس صاحب نے ان کے مشمولات کا بڑا شاندار تعارف کرایا ہے اور ان کی صحافت پر بڑا جامع تبصرہ کیا ہے۔ اردو میں غالباً سرسید کی صحافت پر یہ پہلی کاوش ہے۔ اب تک اس کے دو سے زاید ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ اسی طرح سرسید کی تعزیتی تحریروں کی ترتیب وتدوین اور اشاعت اور علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ کے مضامین کا انتخاب بھی جی لگا کر کیا ہے۔ ان کے زمانہ صدارت میں شعبہ اردو میں پروفیسر آل احمد سرور اور علی سردار جعفری پر سمینار منعقد ہوئے ،ان کے مجموعے بھی انہوں نے مرتب کئے۔

پروفیسر اصغر عباس صاحب ۲۰۰۳ء میں ملازمت سے سبک دوش ہوئے، مگر ایک سال پہلے ۲۰۰۲ء میں انہیں سرسید اکیڈمی علی گڑھ کا ڈائرکٹر نامزد کر دیا گیا تھا۔ چنانچہ اس عہدہ پر وہ غالباً ۲۰۰۸ء تک فائز رہے اور اس دوران سرسید اکیڈمی کے رفقاء اور فیلوز اور سرسید شناسوں کے اشتراک وتعاون سے انہوں نے کئی اہم علمی و تحقیقی کارنامے انجام دئے۔ ان میں دستاویزات نواب محسن الملک، دستاویزات مسلم ایجوکیشنل کانفرنس (دوجلدیں) اور سید محمود پیپرس کی ترتیب وتدوین اور اشاعت خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

علاوہ ازیں سرسید علیہ الرحمہ کی تصنیفات و تالیفات، آثار الصنادید، خطبات احمدیہ، آئین اکبری، تاریخ فیروز شاہی، تزک جہاں گیری وغیرہ کے عکسی ایڈیشن بڑے اہتمام سے شائع کئے۔ ان پر اصغر عباس صاحب نے ''شروع کی بات'' کے عنوان سے جو دیباچے لکھے ہیں وہ ان کی سرسید شناسی اور علی گڑھ تحریک پر گہری اور ماہرانہ نظر کے شاہد ہیں۔

انہوں نے درج ذیل کتابوں کے مقدمات لکھے ہیں:

۱۔ مقدمہ سرسید کی تعزیتی تحریریں
۲۔ مقدمہ انتخاب مضامین علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ
۳۔ مقدمہ انتخاب مضامین ذکاء اللہ دہلوی
۴۔ مقدمہ رشید احمد صدیقی آثار واقدار
۵۔ مقدمہ عرفان سید حامد
۶۔ مقدمہ سردار جعفری شخصیت اور فن
۷۔ مقدمہ ارمغان آل احمد سرور
۸۔ مقدمہ آثار الصنادید۔ سرسید (طبع اول) ۱۸۴۷ء (طبع جدید)
۹۔ مقدمہ آثار الصنادید۔ سرسید (طبع دوم) ۱۸۵۴ء (نیا ایڈیشن)
۱۰۔ مقدمہ خطبات احمدیہ سرسید (طبع جدید)
۱۱۔ مقدمہ آئین اکبری مرتبہ سرسید (نیا ایڈیشن)
۱۲۔ مقدمہ تاریخ فیروز شاہی مرتبہ سرسید (نیا ایڈیشن)
۱۳۔ مقدمہ تزک جہانگیری مرتبہ سرسید (نیا ایڈیشن)
۱۴۔ مقدمہ تبین الکلام فی تفسیر التوراۃ والانجیل علیٰ ملۃ الاسلام۔ سرسید (نیا ایڈیشن)
۱۵۔ مقدمہ سلکٹیڈ اسسیز آف سرسید۔ مترجم: محمد حمید اللہ
۱۶۔ مقدمہ سلکٹیڈ لٹرس آف سرسید۔ مترجم: محمد عبدالمنان
۱۷۔ مقدمہ سلکٹیڈ لکچرس آف سرسید۔ مترجم: محمد عبدالمنان
۱۸۔ مقدمہ دستاویزات مسلم ایجوکیشنل کانفرنس۔ جلد اول۔ مرتب: پروفیسر اقبال حسین
۱۹۔ مقدمہ جسٹس سید محمود پیپرس۔ مرتب: پروفیسر اقبال حسین
۲۰۔ مقدمہ دستاویزات محسن الملک۔ مرتب: پروفیسر اقبال حسین
۲۱۔ مقدمہ دستاویزات مسلم ایجوکیشنل کانفرنس۔ جلد دوم۔

ان دیباچوں کو اگر یکجا کر دیا جائے تو سرسید احمد خاں پر ایک نہایت قیمتی اور مفید کتاب تیار ہو جائے گی۔ ان مقدمات سے ظاہر ہوتا ہے کہ بلاشائبہ مبالغہ انہوں نے بڑی گہرائی، گیرائی اور باریک بینی سے سرسید، ان کی تحریک علی گڑھ اور ان کے عظیم الشان علمی و تعلیمی کارناموں اور ان کے مقاصد کا مطالعہ کیا تھا اور وہ اپنے عہد میں شاید اس کے سب سے بڑے واقف کار تھے۔ یہ ان کے ایسے عظیم الشان کارنامے ہیں جنہیں دانش گاہ سرسید اور سرسید تحریک کا کوئی مورخ کبھی فراموش نہیں کر سکے گا۔

خدا جانے کیوں کر وہ علامہ شبلی نعمانی کی شخصیت اور کارناموں کے معترف نہیں تھے۔ اور بعض دوسرے نام نہاد سرسید نوازوں کی طرح دونوں کا اکثر موازنہ کرتے اور سرسید کی برتری ثابت کرنے کی کوشش کرتے۔ میں عموماً ان کی اس طرح کی گفتگو نظر انداز کر جایا کرتا تھا۔ حالاں کہ وہ خوب اچھی طرح مجھ سے اور علامہ شبلی سے متعلق میری تصنیفات اور خیالات سے واقف تھے۔ ایک موقع پر جب انہوں نے علامہ شبلی کی کم مائگی اور سرسید احمد خاں کی برتری ثابت کرنی چاہی تو مجھ سے رہا نہ گیا اور میں نے ان سے کہا کہ جو غلطی بابائے اردو اور ان کے ہم نواؤں نے کی ہے وہی آپ بھی کر رہے ہیں اور بغیر کسی وجہ اور سبب کے سرسید اور شبلی کا موازنہ کر رہے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ ان بزرگوں کا موازنہ ہو ہی نہیں سکتا، اس لئے کہ علامہ شبلی سرسید سے چالیس سال چھوٹے اور ان کی بعد کی نسل سے تھے۔ سرسید نے ۱۸۵۷ء کے حولناک واقعات آنکھوں سے دیکھے تھے اور شبلی نے ان کو سنا تھا۔ خود سرسید نے ان سے چھوٹوں کی طرح معاملہ کیا۔ یہی بات پروفیسر آل احمد سرور نے ایک جگہ سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ جانے انجانے میں آپ دونوں کا موازنہ کر کے سرسید کی حق تلفی کر رہے ہیں۔ کہنے لگے آپ نے تو بڑی اچھی اور پتے کی بات بتائی، مگر یہ بتایئے کہ آپ تو علامہ شبلی کے مداح ہیں اور خاص انہی پر کام کرتے رہتے ہیں تو مجھے یہ سب کیوں بتا رہے ہیں؟ میں نے کہا کہ میں آپ کی طرح محض سرسید کا مداح نہیں ہوں بلکہ جس سرسید نے اپنے سے چالیس سال چھوٹے علامہ شبلی کا علمی حلقوں میں تعارف کرایا، ہر جگہ تعریف و تحسین کی، شمس العلماء کا خطاب دلوایا، ان کی کتابوں پر مقدمے اور تبصرے لکھے، میں اس سرسید کے ساتھ شبلی کی مقابلہ آرائی کو ایک غلط تصور خیال کرتا ہوں۔ اس بات پر وہ خاموش ہو گئے اور پھر میرے سامنے کبھی ان بزرگوں کا موازنہ نہیں کیا۔

البتہ یہ بات ضرور کہتے رہتے کہ آپ جس اخلاص کے ساتھ علامہ شبلی پر کام کر رہے ہیں کاش کوئی اسی طرح سرسید کو بھی اپنے مطالعہ و تحقیق و تصنیف کا موضوع قرار دیتا۔ یہ دراصل ان کے دل کی آواز اور ارزو تھی۔ وہ اس بات سے کبیدہ خاطر رہتے کہ سرسید کی یادگار اتنی بڑی یونیورسٹی قائم ہے، مگر کسی نے سرسید کی خدمات اور کارناموں پر کما حقہ کام نہیں کیا۔ وہ یہ بھی کہتے کہ یونیورسٹی کے اپنے پروفیسر اور اہل قلم ہیں، اپنا پریس اور پبلی کیشن ڈیویژن ہے، مگر سرسید کی تصنیفات و تالیفات، بالخصوص مقالات شایان شان طریقہ سے اب تک شائع نہیں ہوئے۔ ان کا یہ بھی خیال تھا کہ سرسید کے مطبوعہ مقالات کے علاوہ ان کے مقالات کی بیسوں اور جلدیں شائع ہو سکتی ہیں، مگر یہ تحقیقی اور پتہ ماری کا کام کون کرے گا۔ اب یہاں تن آسانی

والے کام انجام پاتے ہیں۔

دور آخر میں انہوں نے سرسید کے شذرات مرتب کئے جسے دارالمصنفین اعظم گڑھ نے بڑے اہتمام سے شائع کیا۔اس کی جلد بھی وہ مرتب کررہے تھے مگر وہ شائع نہیں ہوسکی ہے۔

ناچیز علامہ شبلی سے متعلق ان کے اس تعلق کو کبھی فراموش نہیں کرسکتا کہ جب سے میرا ان سے ربط وتعلق قائم ہوا اور جس کی مدت کچھ زیادہ نہیں ہے، اس مدت میں انہیں مطالعہ کے دوران علامہ شبلی سے متعلق کوئی اہم اور قیمتی تحریر کہیں نظر آتی تو اسے نقل کر کے مجھے بھیجتے اور بڑی محبت سے کہتے کہ اگر آپ اسے کام میں لاسکیں اور مفید ہو تو ضرور لائیں۔ان میں کئی ایسی تحریریں اور معلومات شامل ہیں کہ اگر وہ خود لکھتے تو ان کی بڑی پذیرائی ہوتی اور اسے ایک اہم کاوش قرار دیا جاتا، جیسے عزیز صفی پوری کے نام علامہ شبلی کا ایک مطبوعہ خط انہیں ''یادگار سلف'' میں ملا تو اسے نقل کر کے مجھے بھیجا، چونکہ خط کی شکل میں تھا اس لئے میرے نام اہل علم کے خطوط کے مجموعہ ''محبت نامے'' میں شائع کردیا گیا۔اب اسے علامہ شبلی کے متفرق خطوط کے مجموعہ ''مکتوبات شبلی'' کے جدید ایڈیشن مطبوعہ دارالمصنفین میں شامل کردیا گیا ہے۔

اسی طرح نیشنل اسکول اعظم گڑھ سے متعلق ابوالفضل احسان اللہ عباسی گورکھپوری کے اخبار روزنامہ الوقت گورکھپور میں ۱۸۹۴ء میں شائع ہونے والا ایک سپاس نامہ ان کے ہاتھ آیا تو اسے بھی پروفیسر اشتیاق احمد ظلی صاحب کے ہاتھوں بھجوایا اور اب وہ ایک مضمون کی شکل میں میری کتاب ''نقوش شبلی'' میں شامل ہے۔

علامہ شبلی پر سبقت کی غرض سے ''سیرۃ الفاروق'' لکھنے والے منشی سراج الدین کے اخبار روزنامہ سرمور گزٹ ناہن (راجستھان) میں ماہنامہ المعارف سے متعلق علامہ شبلی نعمانی کا مفصل مراسلہ ان کی نظر سے گذرا تو اسے بھی نقل کر کے بھیجا۔ یہ قیمتی دستاویز اب راقم کی تصنیف ''نوادرات شبلی'' میں شامل ہے۔ یہ بات کم لوگوں کو معلوم ہوگی کہ علی گڑھ کے زمانہ قیام میں علامہ شبلی اپنے دوست میر ولایت حسین کے ساتھ ماہنامہ رسالہ المعارف جاری کرنا چاہتے تھے، مگر بعد میں ان کا ارادہ بدل گیا اور پھر دوسروں نے علی گڑھ سے ماہنامہ معارف جاری کیا۔وفات سے چند ماہ پیشتر علامہ شبلی نعمانی نے جس معارف کا خواب دیکھا تھا وہ دراصل اسی قدیم خواب کی تعبیر تھی جسے ان کے شاگرد اور جانشین مولانا سید سلیمان ندوی (۱۸۸۴-۱۹۵۳ء) نے تعبیر عطا کی۔

علامہ شبلی کی پہلی تقریر جو انہوں نے خلف سرسید سید محمود (۱۸۵۰-۱۹۰۳ء) کے الہ آباد ہائی کورٹ کے جج منتخب ہونے پر ایک جلسہ میں اعظم گڑھ میں کی تھی اسے پروفیسر اصغر عباس صاحب نے علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ سے نقل کر کے شائع کیا۔ یہ تقریر کئی رسائل ماہنامہ کانفرنس گزٹ علی گڑھ اور سہ ماہی نوائے ادب ممبئی وغیرہ میں شائع کرائی۔ اب وہ ناچیز کی مرتبہ کتاب ''خطبات شبلی: نو دریافت'' میں بھی شامل ہے۔علمی دنیا کو اس خطبہ کی پہلے پہل اطلاع پروفیسر اصغر عباس صاحب ہی کے ذریعہ ہوئی۔

بڑی بات یہ بھی ہے کہ اس علمی تعاون کا انہوں نے کبھی احسان نہیں جتایا بلکہ ہمیشہ میرے احباب سے یہ کہتے رہے کہ الیاس اعظمی جس محبت، دلچسپی اور اخلاص سے علامہ شبلی پر کام کررہے ہیں، وہ قابل رشک بھی ہے اور لائق تقلید بھی۔

حافظ وقاری ولی محمد زاہد ہریانوی حیدرآباد

نعت شریف ﷺ

ہے زُباں قاصر نبیؐ سے عشق کے اظہار سے
اِس قدر مجھ کو محبت ہے شہہِ ابرارؐ سے

تھا ضلالت کا اندھیرا ہر طرف چھایا ہُوا
ہوگیا روشن زمانہ آپؐ کے انوار سے

پہلی مسجد جو بنائی ابنِ یاسرؓ نے قُبا
تھی محبت مصطفیٰؐ کو اِس لئے عمارؓ سے

کام آیا جو غریبوں بے کسوں کے ہرقدم
بے بہا ہم کو بھی اُلفت ہے اُسی غمخوار سے

عرش کُرسی یہ زمین و آسماں یہ بحروبر
''ہے وُجودِ کُل وجودِ احمدؐ مختار سے''

میرے آقاؐ ہیں وہاں آرام فرما اِس لئے
اُنسیت ہے مجھ کو طیبہ کے دَر و دیوار سے

تھا فِرشتوں کا لحد میں مجھ پہ جو چھایا ہوا
خوف زائل ہوگیا وہ آپؐ کے دیدار سے

یہ حقیقت ہے گناہوں میں ہیں زاہدؔ غرق ہم
پرشفاعت کی لئے اُمّید ہیں سرکارؐ سے

کاش کوئی شخص اسی اخلاص ومحبت سے سرسید پر بھی کام کرتا۔؟

اب پروفیسر اصغر عباس صاحب ہمارے درمیان نہیں ہیں تو ان کی ایک ایک بات اور ایک ایک گفتگو یاد آکر رنجیدہ کررہی ہے۔ ان سے بارہا ملاقات رہی۔ ایک بار علی گڑھ میں میرا قیام ایک ہفتہ رہا تو اس حقیر کی انہوں نے دعوت کی اور اس میں بڑا اہتمام کیا۔ اور جب تک میں ان کی رہائش گاہ سرسید نگر میں 'گلشن دوست' پر رہا وہ سرسید اور علی گڑھ تحریک ہی کی باتیں کرتے رہے، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ان سے جب بھی ملاقات ہوئی یا جب بھی فون سے بات ہوتی وہ ہمیشہ علمی اور سرسید کی باتیں کرتے۔ ذاتی باتیں عموماً نہ کرتے۔ ان کے بھائی کا انتقال ہوا اور وہ ان کے لئے ایک بڑا سانحہ تھا، میں نے تعزیت کے لئے فون کیا، کہنے لگے دعائے مغفرت کیجئے، بس اس سے زیادہ وہ کچھ نہ کہہ سکے۔ اللہ تعالی اب ان کی مغفرت فرمائے۔

ان کی وفات سے جو علمی وادبی حلقے میں جو خلا پیدا ہوا ہے وہ جلد پر نہ ہوسکے گا۔ اردو کے ادیب اور اہل قلم اور سرسید پر کام کرنے والے پیدا ہوتے رہیں گے، مگر سرسید اور ان کی تحریک کا ایسا عاشق وشیدائی شاید جلد پیدا نہ ہوگا۔ ع

اک دھوپ تھی جو ساتھ گئی آفتاب کے

ہوسکتا ہے دنیا میں منافقت بازی لے جائے مگر آخرت سچے لوگوں کی کامیابی کا دن ہے۔ (ابن العربی)

از: ڈاکٹر ابو زاھد شاہ سید وحید اللہ حسینی القادری الملتانی
کامل الحدیث جامعہ نظامیہ، حیدرآباد (Osm)M.A., M.Com., Ph.D

جہنم کی آگ دنیوی گرمی سے کہیں زیادہ گرم ہے

خالق کونین نے قطرۂ آب سے تخلیق پانے والے انسان میں عقل و خرد کی متعدد قوتیں اور بے شمار تسخیری صلاحیتیں رکھی ہیں جس کے باعث وہ بحر پیمائی میں کمال حاصل کرکے ایک طرف دخانی بحری جہاز کے ذریعہ سمندر کے تیز و تند طوفان اور بلند لہروں، موجزوں کے سینے کو چیرتے ہوئے مختلف بحری منافع جیسے بین الاقوامی تجارت سے لطف اندوز ہورہا ہے تو دوسری طرف محیر العقول سائنسی اختراعات وایجادات جیسے طیاروں اور راکٹوں کے ذریعہ ہواؤں پر اپنی حکومت چلارہا ہے اور ستاروں پر کمندیں ڈال رہا ہے۔ حقیقت کے اس پہلو کے باوجود مخدومِ مہر و ماہ یعنی انسان میں رب کائنات نے بعض فطری کمزوریاں بھی ودیعت فرمائی ہیں جس سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ یہی وجہ ہے کہ مخدوم کائنات خواہشات نفسانی وشہوانی کے دلدل میں دھنس کر اتنا کمزور ونحیف ہوجاتا ہے کہ وہ خالق کو چھوڑ کر خادم کا غلام اور طلبگار بن جاتا ہے۔ انسان کی اسی اصولی کمزوریوں میں سے ایک کمزوری یہ ہے کہ وہ موسمی تبدیلیوں کو بھی برداشت نہیں کرسکتا۔ جیسا کہ جاریہ موسم گرما میں درجہ حرارت کے بڑھ جانے اور شدید گرمی کی لہر اور لو لگنے سے کئی لوگ اس دار فانی سے کوچ کررہے ہیں۔ اگر ہم موسم گرما کی شدت کی حقیقت کا قرآن پاک ورحدیث پاک ﷺ کی روشنی میں جائزہ لیں گے تو ہمیں معلوم ہوگا کہ یہ شدید گرمی کا جہنم کی گرمی سے کوئی تقابل نہیں ہے بلکہ یہ دنیوی گرمی تو آتشِ جہنم کا ایک ادنیٰ سا حصہ ہے۔ چنانچہ سیدنا ابو ہریرہؓ سے مروی ہے آپؐ فرماتے ہیں کہ تاجدار مدینہ ﷺ نے فرمایا ''تمہاری آگ جہنم کی آگ کے ستر (70) حصوں میں سے ایک حصہ ہے جسے رب کائنات نے انسان کے لیے قابل استعمال بنانے کے لیے سمندر کے پانی میں دو دفعہ بجھایا ہے'' (شیخین، موطا امام مالک، تفسیر ابن کثیر)۔ اور ایک حدیث پاک جو حضرت سیدنا نعمان بن بشیر سے مروی ہے کے مطابق مرقع ہر خوبی وزیبائی ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن سب سے ہلکا عذاب اسے ہوگا جسے جہنم کی آگ کے دو جوتے اور دو تسمے پہنائے جائیں گے جن سے اس کا دماغ اس طرح کھولتا ہوگا جس طرح ہنڈیا کھولتی ہے، اس کے باوجود وہ یہ سمجھے گا کہ دوزخیوں میں سے اور کسی کو اس سے زیادہ سخت عذاب نہیں ہے حالانکہ اسے سب سے ہلکا عذاب ہوگا۔ (متفق علیہ) آتش جہنم کی گرمی، تپش کے بارے میں رب کائنات فرماتا ہے ''فرمایئے دوزخ کی آگ اس سے بھی زیادہ گرم ہے۔ کاش! وہ کچھ سمجھتے'' (سورۃ التوبۃ آیت 81)۔ یعنی دنیا کی گرمی جو جہنم کی آگ کا ایک ادنی سا حصہ اور سمندر کے پانی میں دو دفعہ بجھایا ہوا ہے اس کے باوجود انسان اسے برداشت نہیں کرپارہا ہے اور اس سے بچنے کے لیے مختلف احتیاطی تدابیر و اقدامات اختیار کرتا ہے لیکن وہ

آتش جہنم کی گرمی سے بچنے کے لیے کوئی کوشش وسعی نہیں کرتا جس کی ایک چنگاری مشرق میں ہو تو اس کی حرارت مغرب تک پہنچ جائے۔ آج ملک گرمی کی شدید لپیٹ میں ہے جس کی پیچیدگیوں سے بچنے اور جسم کے درجہ حرارت کو مناسب و موزوں رکھنے کے لیے انسان مختلف ترکیبیں اختیار کرتا ہے جیسے گرما کی چھٹیاں گزارنے کے لیے نقل مکانی کرنا یعنی سرد مقامات کا رخ کرنا وغیرہ۔ لیکن انسان کو جہنم کی آگ سے بچنے کی کوئی فکر نہیں جس سے باہر نکلنے کے تمام راستے مسدود رہیں گے۔ رب کائنات ارشاد فرماتا ہے۔ ''جب بھی ارادہ کریں گے اس سے نکلنے کا فرطِ رنج والم کے باعث تو انہیں لوٹا دیا جائے گا اس میں اور (کہا جائے گا) کہ چکھو جلتی ہوئی آگ کا عذاب'' (سورۃ الحج آیت 22)۔ انسان دنیا کی چند روزہ گرمی سے بچنے، اپنی صحت کو گرمیوں کے موسم میں برقرار رکھنے اور پیاس کی شدت کو بجھانے کے لیے وافر مقدار میں پانی اور ٹھنڈے مشروبات کا استعمال کرتا ہے لیکن آج کا انسان جہنم کی اُس ہولناکیوں سے کتنا بے فکر نظر آرہا ہے جہاں اسے پینے کے لیے کھولتا ہوا پانی دیا جائے گا۔ ارشاد ربانی ہے ''پھر پینا پڑے گا اس پر کھولتا پانی'' (سورۃ الواقعہ آیت 54)۔ سیدنا ابو ہریرہؓ سے مروی ہے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''ان کے سروں پر کھولتا ہوا گرم پانی ڈالا جائے گا جو (جسم میں) سرایت کرے گا، یہاں تک کہ دوزخی کے پیٹ میں پہنچ جائے گا اور جو کچھ اس کے پیٹ میں ہوگا اسے کاٹ ڈالے گا۔ (پھر یہ گرم پانی سرایت کرتا ہوا) دونوں قدموں سے باہر آجائے گا اور (ابھی) وہ گرم ہی ہوگا اور اسے پھر پہلی حالت میں لوٹا دیا جائے گا تاکہ یہ عمل دوبارہ دہرایا جاسکے'' (ترمذی شریف) آج انسان موقتی گرم لو سے بچنے کے لیے فین، ایئر کولر اور ایئر کنڈیشن کا استعمال کرتا ہے تاکہ اسے کچھ راحت مل جائے لیکن وہ جہنم کی اُس دائمی آگ کی گرمی سے بچنے کے لیے کوئی عمل نہیں کرتا جس سے بچنا انسان کے بس کی بات نہ ہوگی۔ خالق کونین ارشاد فرماتا ہے ''بھیجا جائے گا تم پر آگ کا شعلہ اور دھواں پھر تم اپنا بچاؤ بھی نہ کرسکو گے'' (سورۃ الرحمٰن آیت 35) آج کے ترقی یافتہ دور کے انسان کی ساری توانائیاں اور صلاحیتیں زیادہ تر دنیا کے حصول تک محدود و مرکوز ہوکر رہ گئی ہیں جبکہ انسان کو آخرت کے لیے فکرمند رہنا وہاں کے لیے تیاری کرنا ہے۔ چونکہ عقلمند وہی شخص ہوتا ہے جو دوراندیش ہو اپنے مستقبل کو درخشاں بنانے کے لیے کوشاں ہو۔ جو فانی نعمتوں کے حصول کے لیے دائمی نعمتوں سے محروم ہوجائے اسے کوئی دانا نہیں کہتا۔ لہذا جہاں ہم دنیاوی گرمی سے بچنے کے لیے مختلف تدابیر اختیار کرتے ہیں وہیں ہم پر یہ بھی لازم ہے کہ جہنم اور اس کی گرمی سے بچنے کے لیے سعی و کوشش کریں۔ جہنم اور اس کی گرمی سے بچنے والے مختلف اعمال کی قرآن حکیم نے نشاندہی فرمائی ہے لیکن ان میں سے افضل ترین عمل فقرا و مساکین کی ضروریاتِ زندگی کو بہم رسانی جیسے مساکین کی طرف دست تعاون دراز کرنا، صدقہ وخیرات کرنا اور غربا و مساکین کو کھانا کھلانا وغیرہ۔ دوزخیوں سے جب سوال کیا جائے گا تمہیں دوزخ میں کس جرم کی پاداش میں ڈالا گیا تو وہ مختلف جوابات دیں گے منجملہ ان کے ایک جواب یہ بھی ہوگا کہ وہ کہیں گے ہم مساکین کو کھانا نہیں کھلایا کرتے تھے۔ آج ہم مسلم معاشرے پر ایک طائرانہ نظر ڈالیں تو حقیقت کا یہ پہلو ہمارے سامنے آتا ہے کہ ہم تقریبات میں مہمانوں کی مختلف اقسام وانواع کی غذاؤں سے ضیافت کرتے ہیں اور

انجم مبارکپوری، اعظم گڑھ، اتر پردیش

غزل

جو ساتھ کسی کے بھی مروّت نہیں کرتے
ہم ایسے انا والوں کی عزت نہیں کرتے

عقبیٰ کی اگر فکر ذرا بھی انھیں ہوتی
دولت کے سبب گھر کو وہ جنت نہیں کرتے

سینے سے لگاتے ہیں وہ کیسا بھی ہو بیٹا
جو چاہیے بیٹی کی وہ عزت نہیں کرتے

کیوں اتنی خرابی جواں لڑکوں میں ہے آئی
کیا لوگ مکانو میں نصیحت نہیں کرتے

ہوتے وہ اگر جھوٹ کے انجام سے واقف
رائی کو بڑھا کر کبھی پربت نہیں کرتے

احباب کی توقیر ضروری ہے یہاں تک
رنجش بھی اگر ہے تو شکایت نہیں کرتے

جو ہو نہ سکے بات وہ کہنے کا نہیں حق
ریتوں پہ کھڑی پختہ عمارت نہیں کرتے

ہم دل میں تو گھر کرتے ہیں انجم یہ روا ہے
پر دل پہ کسی کے بھی حکومت نہیں کرتے

اطراف و اکناف میں کئی غربا و مساکین ہماری توجہ کے طالب اور نظرِ عنایت کے منتظر ہوتے ہیں لیکن ہم اس طرف کوئی توجہ نہیں دیتے کاش ہم ان غربا و مساکین کو ہمطعامی کے لیے مدعو کریں۔ ہوسکتا ہے ہمارا یہی چھوٹا سا عمل جہنم سے نجات کا سبب بن جائے۔ چونکہ ابن عمرؓ کی روایت کردہ حدیث میں ہمیں یہ صراحت ملتی ہے۔ رحمت عالمیاں ﷺ ارشاد فرماتے ہیں ''جو شخص کسی مسلمان کی دنیوی مشکل حل کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی قیامت کی مشکلات میں سے کوئی مشکل حل فرمائے گا'' (متفق علیہ)۔ جس بندے کی قیامت کے مشکلات اللہ تعالیٰ حل فرما دے اسے جہنم کا کیا خوف ہوگا۔ اور ایک روایت میں آیا ہے جو سیدنا ابو ہریرہؓ سے مروی ہے آپؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے پاک کمائی سے ایک کھجور کے برابر بھی صدقہ کیا تو اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرما کر اپنے دائیں ہاتھ میں لے لیتا ہے، پھر اس کو خیرات کرنے والے کے لیے پالتا رہتا ہے، جس طرح تم میں سے کوئی شخص اپنے بچھیرے کو پالتا ہے یہاں تک کہ وہ خیرات پہاڑ کے برابر ہوجاتی ہے۔ (صحیحین)۔ پیر طریقت حضرت ابو العارف شاہ سید شفیع اللہ حسینی القادری الملتانی مدظلہ العالی سجادہ نشین درگاہ پیر قطب المشائخ حضرت شاہ سید پیر حسینی القادری الملتانی محقق قدس سرہ العزیز امام پورہ شریف ارشاد فرماتے ہیں کہ ''بندہ؟ مومن کو چاہیے کہ وہ کسی نیکی یا برائی کو حقیر یا چھوٹی نہ سمجھے بلکہ وہ ہمیشہ یہ خیال کرے کہ کل بروز محشر یہی نیکی اسے جنت کا حقدار بنا سکتی ہے اور یہی چھوٹی سی خطا و نافرمانی جہنم میں لیجانے کا سبب بن سکتی ہے۔ اسی لیے مومن کا شیوہ یہ ہونا چاہیے کہ وہ ہر بڑی نیکی کو چھوٹی اور ہر چھوٹی برائی کو بڑی تصور کرے''۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ بطفیل نعلین پاک مصطفیٰ ﷺ ہمیں قرآن اور صاحب قرآن ﷺ کی تعلیمات کے مزاج کو سمجھنے اور اس کے مطابق عمل کرنے کی توفیق رفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین بجاہ سید المرسلین طہٰ و یسین۔

علیزے نجف۔ سرائے میر اعظم گڈھ

اعظم گڈھ کی مٹی سے اگنے والا روشن آفتاب: علامہ شبلی نعمانی

شخصیتیں ہر دور میں پیدا ہوتی رہی ہیں، ہر دور کی شخصیات کے افکار و خیالات نے معاشرے پہ اپنے اثرات مرتب کئے ہیں، بیشک ان کے افکار و خیالات سے اختلاف و اتفاق کیا جا سکتا ہے لیکن اختلاف کا حق رکھتے ہوئے بھی ہم بعض شخصیتوں کی فکری اثریت سے نظریں نہیں چرا سکتے، کسی بھی شخصیت کے ہر فکر سے اتفاق کرنے کی شرط ہمارے مذہب میں نہیں رکھی گئی ہے، اس لئے وسیع النظری کا تقاضہ یہی ہے کہ ہم اتفاق و اختلاف کرتے ہوئے بھی علم اور اہل علم کی تعظیم و تکریم کرنا سیکھیں۔ اس سے شخصیت پرستی کا خاتمہ ہوتا ہے اور نظریات کی افزائش کی راہیں ہموار ہوتی ہیں، نظریات معاشرے کی تشکیل میں نمایاں کردار ادا کرتے ہیں نظریے کی تعمیر سے ہی قوموں کی بقاء و ارتقا کا عمل شروع ہوتا ہے۔

اعظم گڈھ کی سرزمین کی علمی زرخیزی ایک ایسا موضوع ہے جس پہ سیر حاصل گفتگو کی جا سکتی ہے، اس سرزمین پہ کئی ایسی تاریخی شخصیات پیدا ہوئی ہیں جنھوں نے عالمی سطح پہ علم کے نئے روزن وا کئے سوچ کے کئی مقفل دروازوں کو کھولے ہیں، بدلتے زمانے کے تقاضوں کو محسوس کرتے ہوئے اسے اپنے فکر و نظر کے ساتھ آگے بڑھایا انھیں شخصیات میں ایک نمایاں نابغہء روزگار شخصیت علامہ شبلی نعمانی کی ہے، علامہ شبلی نعمانی ہمہ جہت صلاحیتوں کے حامل تھے، ان کی شہرت عالمی سطح پہ مسلم حیثیت رکھتی ہے، ان کے بارے میں اگر یہ کہا جائے تو کچھ غلط نہ ہوگا کہ ان کی شناخت کی تشکیل میں اعظم گڈھ نے اتنا کردار نہیں ادا کیا جتنا کہ انھوں نے اعظم گڈھ کی شناخت کو مستحکم بنانے میں اہم کردار ادا کیا، ان کی علم نوازی نے ان کی صلاحیتوں کو ایک ایسے روشن چراغ میں تبدیل کر دیا تھا جس نے اردگرد ہی نہیں بلکہ تا حد نظر روشنی ہی روشنی پیدا کر دی، ان کی شخصیت کے کئی سارے رخ تھے علامہ شبلی نعمانی ایک یگانۂ روزگار محقق اور مصنف، ایک بے مثال سوانح نگار اور مؤرخ، ایک عظیم فلسفی اور مفکر، ایک مایۂ ناز ماہر تعلیم اور معلم اور شعر و ادب کے امام ہونے کے ساتھ ساتھ ایک ایسے عالم دین تھے، جن کی فکر و نظر آج بھی حاملین علوم نبوت کے لیے مشعل راہ کا کام کر رہی ہے۔ ان کی شخصیت کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ انھوں نے علم کو دینی و دنیاوی کسی خانے میں نہیں بانٹا بلکہ ہر اس علم سے استفادہ کرنے کی وکالت کی جو کہ شعور کی نشو و نما کرتا ہے، انھوں نے خود مغربی علوم کا مطالعہ کر کے اس کی روشنی میں دینی علوم کی اہمیت اور دینی شخصیات کے کرداروں کو منفرد اسلوب میں ڈھال کر دنیا کے سامنے پیش کیا، سرسید احمد خاں کی رفاقت نے گویا ان کی صلاحیتوں کو ایک نئی زندگی ایک نیا مقصد عطا کر دیا تھا، علامہ شبلی نعمانی کی شخصیت صحیح معنوں میں ایک عالمی شخصیت تھی جنھوں نے عرب و عجم کے

لوگوں کے درمیان ایک معتبر شناخت حاصل کی۔ وہ ساری زندگی علم کی خدمت میں مصروف رہے۔

علامہ شبلی نعمانی علیہ الرحمہ ۴؍جون ۱۸۵۷ء کو موضع بندول ضلع اعظم گڑھ میں پیدا ہوئے ان کے والد شیخ حبیب اللہ کے گڈھ کے نامی گرامی وکیل اور شعروادب کے شیدائیوں میں سے تھے، عوام کی فلاح و بہبود کے تئیں ہمیشہ فکرمند رہتے تھے رفاہ عام کے لیے سرگرداں رہتے تھے، انھیں تصوف سے گہرا لگاؤ تھا، اپنے بچوں کی تربیت میں ان کے متصوفانہ نظریات کا بھی اثر شامل رہا علامہ شبلی نعمانی جوان کے بڑے بیٹے تھے ان کی تعلیم وتربیت میں ان کے والد نے ایک نمایاں کردار ادا کیا، روایت کے مطابق علامہ شبلی نعمانی کی تعلیم کا آغاز گاؤں کے ہی مکتب سے ہوا اس کے بعد مولانا فاروق چریا کوٹی، اور مولانا فیض الحسن سہارنپوری سے فیضِ علم حاصل کرتے ہوئے اس وقت کے جید نامور علماء کرام سے استفادہ کیا انیس سال کی عمر میں ان کی تعلیم مکمل ہوگئی، ان کے اندر موجود علم کی تشنگی نے انھیں ہمیشہ علم کی راہ میں مائل بہ سفر رکھا یہاں تک کہ جب وہ حج کے لئے مکہ مکرمہ گئے تو اس دوران انھوں نے مکہ کی لائبریریوں میں موجود کتابوں کا مطالعہ کیا اور وہاں کی علمی شخصیات کی صحبت میں رہ کر ان کے علم سے خاطر خواہ استفادہ کیا، جب وہاں سے وہ واپس آئے تو ان کا علمی ذوق ایک جداگانہ راہ پہ رواں ہو چکا تھا، وہ تنگ نظری کی فضا سے باہر نکل کر کھلی فضا میں سانس لینے کے عادی ہوگئے تھے۔ بعد میں میں سرسید کی رفاقت میں ان کے علم وتحقیق کو ایک نیا آسمان مل گیا، حج سے واپسی کے بعد اپنے والد کے حکم پہ وکالت کی پریکٹس بھی کی اور چھوٹی موٹی تجارتیں بھی کیں لیکن مسلسل ذہنی کشمکش سے نبرد آزما بھی رہے، ایک تشنگی سی ان کی زندگی میں تھی جیسے وہ خود کو اس کے مطابق نہیں پاتے تھے، ان کی زندگی میں ایک نیا موڑ اس وقت آیا جب محمڈن اینگلو عربک کالج میں لکچرار کی ایک جگہ خالی ہوئی علامہ شبلی نعمانی نے اس کے لئے درخواست ڈالی وہ انٹرویو کے لئے پہنچے سرسید احمد خاں نے ان کے ذوق مطالعہ کو دیکھتے ہوئے بحیثیت اسسٹنٹ پروفیسر کے ان کا تقرر کر دیا یہیں سے ہی ان کی تحقیق وتصنیف کو مہمیز ملی وہ اپنی صلاحیتوں کو ایک رخ دینے میں کامیاب ہوگئے، ان کے سامنے علم کے بیشمار دروازے کھلتے چلے گئے اور ان کی جستجو اور پیاس بڑھتی گئی اس جستجو اور آرزو کا سفر ان کی موت تک جاری رہا، وہاں پہنچنے سے پہلے تک ان کا علم دین اور بنیادی عصری علوم تک محدود تھا سرسید کی صحبت میں رہ کر انھوں نے مولویت کے محدود دائرے سے باہر نکل کر دنیا کو ایک الگ رخ سے دیکھا اور نئے نئے علوم سیکھے، مغربی علوم وفنون سے استفادہ کرتے ہوئے انھوں نے مشرقی علوم کی تعمیر نئے زاویے سے کی انھوں نے مغربی علوم کی وسیع النظری کی روایت کو مشرقی علوم میں منتقل کیا اور اس کو بدلتے زمانے کے تقاضوں سے ہم آہنگ کرتے ہوئے اردو زبان کی نشو ونما بھی کی۔ علامہ شبلی نے محمڈن اینگلو اورینٹل کالج میں تقریباً سولہ سال تدریسی خدمات انجام دی۔ ان کی تدریس کا طریقہ انتہائی مؤثر اور دلچسپ ہوا کرتا تھا جو کہ طلبہ کے اندر علم کی ایک جستجو پیدا کر دیتا، اسی کالج میں رہتے ہوئے ان کی ملاقات پروفیسر تھومس آرنلڈ اور کئی مغربی اسکالروں سے ہوئی جن سے مل کر انھوں نے مغربی نظریات وخیالات کا بہت قریب سے جائزہ لیا یہیں سے انھیں اندازہ ہوا کہ مغربی نظریات وخیالات سے متعلق پائی جانے والی عمومی رائے غلط فہمی پہ مبنی ہے انھوں نے پروفیسر آرنلڈ سے بھرپور استفادہ کیا

1892 میں انھوں نے پروفیسر آرنلڈ کے ساتھ ترکی شام اور مصر وغیرہ کا دورہ کیا تقریباً چھ ماہ تک وہاں قیام کیا، ترکی کے قیام کے دوران خلافت عثمانیہ نے آپ کی علمی عظمت و رفعت کے اعزاز میں آپ کو تمغہ مجیدیہ سے نوازا۔ جب علامہ شبلی ترکی سے ہندوستان واپس آئے تو علی گڑھ میں آپ کے اعزاز میں مختلف جلسے منعقد ہوئے۔ چنانچہ آپ کی شہرت و عظمت کے چرچے برطانوی حکومت کے ایوان میں بھی ہونے لگے۔ لہٰذا برطانوی حکومت نے آپ کو شمس العلماء کے خطاب سے نوازا۔

سرسید احمد خان کا 1898ء میں جب انتقال ہو گیا تو آپ اعظم گڑھ واپس آ گئے پھر 1901ء میں آپ حیدرآباد کوچ کر گئے اور حیدرآباد اسٹیٹ کے ایجوکیشن ڈپارٹمنٹ میں بطور مشیر کے کام کرنا شروع کر دیا اور وہاں کے تعلیمی نظام میں بہت سی اصلاحات کیں اور آپ کی کئی مشہور تصانیف انہیں ایام کی یادگار ہیں۔ 1905ء میں آپ حیدرآباد سے لکھنؤ چلے آئے، جہاں دنیا کی مشہور اسلامک یونیورسٹی دارالعلوم ندوۃ العلماء جو ابھی ابتدائی مرحلے میں تھا کے معتمد تعلیم کی ذمہ داری سنبھالی۔ دارالعلوم ندوۃ العلماء کا قیام ئ 1894ء میں ہوا۔ ندوۃ العلماء کی تحریک علامہ شبلی کے دل کی آواز تھی۔ روزِ اول سے وہ نہ صرف یہ کہ اس کی ساری سرگرمیوں میں شریک تھے بلکہ وہ اس ادارہ کی تعمیر و ترقی کو اپنے خوابوں کی تعبیر سمجھتے تھے۔ لیکن انھیں وہاں کی فضا زیادہ دنوں تک راس نہیں آسکی ان کی وسیع النظری کی وجہ سے کچھ لوگ ان سے نالاں تھے جب ندوہ کے حالات خراب ہو گئے تو انھوں نے اپنی ملازمت چھوڑ دی، علامہ شبلی نعمانی کی یہ شدید خواہش تھی کہ بڑے بڑے علماء کو جمع کر کے علمی تحقیق و اشاعت کا ایک ادارہ ''دارالمصنفین'' کے نام سے قائم کیا جائے انھوں نے اپنے اس خواب کو پورا کرنے کی پوری کوشش بھی کر لی لیکن اس ادارے کا افتتاح ہونے سے پہلے ہی ان کا انتقال ہو گیا۔

علامہ شبلی نعمانی ایک مایہ ناز مؤرخ تھے، تاریخ کے ضمن میں اسلامی تاریخ کی عظیم شخصیتوں کے حالات کو قلمبند کر کے لوگوں میں اسلامی تاریخ کا نیا ذوق پیدا کیا ان کی تاریخ کے حوالے سے لکھی گئی کتابوں میں سب سے مشہور و مقبول کتاب خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی سوانح ''الفاروق'' اور امام ابوحنیفہ کی سوانح ''سیرۃ نعمان'' ہے شبلی نعمانی امام ابوحنیفہ سے، بہت متاثر تھے اپنے نام کے ساتھ نعمانی لگانا ان کی اسی عقیدت و محبت پہ مبنی ہے، پھر ان کی سیرت پہ کتاب مرتب کر کے اپنی محبت کو بہت ہی عقیدت کے ساتھ پیش کیا جس نے ان کی سوانح نگاری کو مستند بنانے میں اہم کردار ادا کیا، سوانح نگاری کے ضمن میں ان کی آخری تصنیف ''سیرۃ النبی'' تھی جو کہ ان کی زندگی میں مکمل نہیں ہو سکی بعد میں ان کے شاگرد سید سلیمان ندوی مکمل کر کے اسے کتاب کی شکل میں شائع کرایا، یوں ہم کہہ سکتے ہیں کہ علامہ شبلی نعمانی نے سوانح نگاری کی صنف میں گراں قدر خدمات انجام دی ہیں۔

علامہ شبلی نعمانی شعری بساط پہ اپنی ایک نمایاں شناخت رکھتے تھے، ان کے شعر و شاعری سے متعلق ان کے نظریات کو ان کی کتاب 'شعر العجم، موازنہ انیس و دبیر' سے بخوبی سمجھا جا سکتا ہے ان کی کتابوں اور ان کے لکھے گئے متفرق مضامین کو پڑھتے ہوئے یہ محسوس ہوتا ہے کہ ان کو شاعری کے فنی لوازمات، اور اس پہ تنقید سے گہری دلچسپی رہی ہے، انہوں نے ''شعر العجم'' کی پہلی جلد میں 'شعر کی حقیقت' 'شاعری کے متعلق ارسطو اور مل کی رائیں' اور چوتھی جلد میں 'شاعری کی حقیقت'، 'شاعری کے اصلی عناصر'، 'محاکات'،

'تخیل'، 'حسنِ الفاظ' اور لفظوں کی نوعیتوں پر بھی اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ اس لحاظ سے ان کی یہ تصنیف خصوصیت کے ساتھ قابلِ ذکر ہے کہ اسی میں انہوں نے اردو شاعری کے تعلق سے اپنی گراں قدر آراء کا اظہار کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس کتاب میں انھوں نے شاعری سے متعلق اپنے خیالات کو اپنے تجربے، مشاہدے و مطالعے کی روشنی میں بیحد توضیحی انداز میں لکھا ہے، انھوں نے شاعری سے متعلق اپنے نظریات کو بیان کرتے ہوئے مثالوں کا بھی سہارا لیا ہے جس سے ان کے خیالات کو سمجھنے میں کافی مدد ملی ہے۔

علامہ شبلی نعمانی کی سوانح نگاری بھی مسلم حیثیت رکھتی ہے انھوں نے اپنی سوانح نگاری کے ذریعے مشاہیر اسلام کے واقعات کو بیان کر کے مسلمانوں کو ان کی عظمت رفتہ کا احساس دلایا ان کا مقصد یہ تھا کہ مشاہیر اسلام کے کارناموں کو اتنے شرح وبسط کے ساتھ بیان کیا جائے کہ مخالفین اسلام بھی اس پہ غور کرنے پہ مجبور ہو جائیں ان کی تاریخ نگاری بھی اسی ضمن میں آتی ہے دوسرے وہ یہ بھی چاہتے تھے زبان وادب کے دامن کو مزید وسعت بخشیں انھوں نے اس کے لئے بھرپور کوشش کی اور کامیاب بھی رہے، علامہ شبلی کا مطالعہ بہت وسیع تھا مغربی علوم وفنون سے واقفیت نے ان کی صلاحیتوں میں مزید اضافہ کیا، وہ سوانح نگاری کے فن سے کما حقہ واقف تھے 'المامون'' ۱۸۹۸ء میں شائع علامہ شبلی کی پہلی مستقل تصنیف ہے۔ جو اُردو میں حالی کی حیاتِ سعدی کے بعد جدید طرز کی دوسری سوانح عمری ہے۔ سرسیّد نے اِس کتاب پر جو مختصر دیباچہ لکھا ہے، اُس میں کتاب کی جس خصوصیت پر رشنی ڈالی گئی ہے، اِس کا اطلاق صرف 'المامون' پر نہیں، شبلی کی تمام سوانحی کتب پر ہوتا ہے، شبلی کا ارادہ پہلے عباسی خاندان کی تاریخ رقم کرنے کا تھا، بعد میں انہوں نے فرمان روایانِ اسلام لکھنے کا منصوبہ بنایا لیکن مصروفیت کی وجہ سے یہ بھی عملی جامہ نہیں پہن سکا لہٰذا شبلی نے 'ہیروز آف اسلام' سلسلہ کی پہلی کڑی کے طور پر عباسی خلیفہ مامون الرشید پر قلم اُٹھایا۔

علامہ شبلی کی طرز نگارش اپنے اندر گوناگوں پہلو رکھتی ہے ان کے بارے میں یہ بات کہی جاتی ہے کہ ان کی تحریروں کی اثریت کی سب سے بڑی وجہ ان کا ایجاز و اختصار ہے وہ بیجا مبالغہ آرائی سے ہمیشہ گریز کرتے تھے، انھیں یہ کمال حاصل تھا کہ وہ کوزے میں دریا کو بند کر دیتے تھے وہ موضوع جو صفحات کے محتاج ہوتے تھے وہ انھیں سطروں میں سمیٹ دیتے تھے، ان کی تحریروں میں شگفتگی اور سادگی کا عنصر بھی نمایاں ہے ان کی فکری صلاحیتیں ایسے ایسے رموز واسرار منکشف کرتیں کہ قاری پہ ایک نئی علمی دنیا ظاہر ہو جاتی وہ بحرِ علم کے ایک ماہر غواص تھے، یہی وجہ تھی کہ ان کے فکر وعمل سے برصغیر ہندو پاک کے مسلمانوں کی فکر متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی انھوں نے علم کے نئے نئے زاویوں کو ہی نہیں بیان کیا بلکہ انھوں نے اردو اور فارسی ادب کو گراں قدر فائدہ پہنچایا۔ ان کی علمی تحریک ایک مدرسہ فکر کا درجہ رکھتی ہے۔

اعظم گڈھ کی سرزمین سے اٹھنے والا یہ ذرہ نیر اعظم بن کر علمی افق پہ نمودار ہوا ان کی فکری کاوشیں اور تحقیقی وتنقیدی سرمائے سے انسان نسل در نسل مستفید ہوتے رہیں گے علم و ادب کے آسمان پہ چمکنے والا یہ روشن وتابندہ ستارہ بالآخر 18 نومبر 1914ء کو اس جہانِ فانی کو خیرباد کہہ دیا لیکن اس کی چمک آج بھی علمی گلیاروں میں موجود ہے ان کے قائم کردہ ادارے شبلی کالج اور دارالمصنفین آج بھی علمی کاموں میں مصروف ہیں، اردو زبان شبلی کے احسانات کو کبھی بھی فراموش نہیں کر سکتی۔

احمد نورعینی۔ استاذ المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد

اپنا سیاسی وِزن بنایئے

کرناٹک کے صوبائی انتخابات کا نتیجہ منظر عام پر آگیا، ہارڈ کور برہمنواد کے لیے یہ نتائج افسوس کن رہے اور سافٹ کور برہمنواد کے لیے لیے خوش کن، اور امن پسند وانصاف پسند عوام کے لیے "نسبتا غنیمت"۔ کانگریس کو جیت مبارک ہو، ہماری طرف سے ڈھیر ساری مبارکبادیاں اور نیک تمنائیں، مگر یہ وقت صرف مبارکبادیوں اونیک تمناؤں کا نہیں، بلکہ احتساب کا بھی ہے، ہمیں اپنا احتساب کرنے کی ضرورت ہے کہ کیا ہماری سیاسی حکمت عملی صرف اتنی ہی رہ گئی ہے کہ ہم فلاں پارٹی کی ہار پر خوش ہوجائیں اور خوشیاں منالیں؟ دلی میں بھی ہارڈ کور برہمن وادی پارٹی کی شکست اور سافٹ کور برہمن وادی پارٹی کی جیت پر ہم نے بہت خوشیاں منائی تھیں، مگر جس پارٹی کے لیے ہم نے خوشیاں منائی تھیں اس نے دلی فسادات اور نظام الدین مرکز کے مسئلوں پر کیسے کیسے زخم دیے۔ ہم نے بہار میں فلاں پارٹی کی شکست اور مخصوص پارٹی کی جیت کے لیے ہر ممکن کوششیں کیں، ووٹ ڈالے اور ڈلوائے، قبولیت کی گھڑیوں میں دعائیں کیں اور کروائیں مگر جس کے لیے ہم نے یہ سب کچھ کیا اس کا، اس کے پریوار اور اس کی پارٹی کا رویہ محترم شہاب الدین مرحوم کے ساتھ کیسا رہا سب کو معلوم ہے، ہم نے یوپی میں بھی فلاں پارٹی کو ہرانے کے لیے مخصوص پارٹی کے محاذ کو اپنا ووٹ، اپنا اعتماد سب کچھ دیا تھا مگر کیا آج اس پارٹی نے اعظم خان کے ساتھ سوتیلا سلوک روا نہیں رکھا ہے؟ مثالیں بہت ہیں، کہاں تک شمار کریں؟ اس ملک کی سیکولر سمجھی جانے والی سب سے بڑی پارٹی کی داستان تو اتنی دراز ہے کہ اسے نہ چھیڑنا ہی بہتر ہے، یہ مختصر تحریر اس کی متحمل نہیں ہے۔

سکوت آموز طول داستان درد ہے ورنہ
زباں بھی ہے ہمارے منہ میں اور تاب سخن بھی ہے

ایسا اس لیے ہوا کہ ہم نے نام نہاد سیکولر پارٹیوں کو اپنا ووٹ اور اعتماد تو دیا مگر اپنا سیاسی وزن نہ بنا پائے، ہم نے سیکولرزم کا جاپ اتنا زیادہ اور اتنا زوردار کیا کہ ان پارٹیوں کو لگنے لگا کہ یہ مسلمان تو ہمیں ہی ووٹ دیں گے، خواہ ہم وفاداری کریں یا بے اعتنائی برتیں۔ فرقہ پرست برہمن وادی پارٹی کی شکست کے لیے کوشش کرنا اور اس کی شکست پر خوشی کا اظہار کرنا برا نہیں ہے مگر خدارا یہ تو سوچیے کہ اس دیش میں ہمارا سیاسی وزن کیا ہے؟ ہم اتنے بے وزن کیوں ہیں کہ ہمارے قدر آور نیتاؤں کا بھی مشکل وقت میں وہی پارٹیاں ساتھ چھوڑ دیتی ہیں جن کو جتانے کے لیے ہم ووٹ سے لے کر دعا تک سب کچھ کرتے ہیں، جب قد آور نیتاؤں کا یہ حال ہے تو عام جنتا کی بات ہی چھوڑ دیجیے۔ اس لیے ضرورت ہے کہ ہم اپنا سیاسی وزن پیدا کریں، سیاسی وزن پیدا کرنے کا کام جہاں بہت ضروری ہے وہیں بہت نازک

بھی ہے، اگر حکمت عملی سوچ سمجھ کر نہ بنائی گئی تو فرقہ پرست برہمن وادی پارٹی اس کا فائدہ اٹھا کر سیاسی دنگل کو ہندو بنام مسلم بنادے گی، کارگر حکمت عملی کے لیے ہمیں ایک ایسی آئیڈیالوجی اپنانی ہوگی جس سے ہم اپنا سیاسی وزن بھی بناسکیں اور دیش میں بسنے والے اکثر سماجی طبقات کی مخالفت سے بھی اپنے آپ کو بچاسکیں۔ جس آئیڈیالوجی کے ذریعہ مسلم قوم کو سیاسی وسماجی اچھوت بنانے کا منصوبہ تکمیل پذیر ہوا اس آئیڈیالوجی کو کاؤنٹر کرنا ناگزیر ہے، اس کی بنیادیں ہلائے بغیر مسلم سیاسی قیادت کے مستقل وجود واستحکام سے فائدہ کم نقصان زیادہ ہوگا، بل کہ برہمنواد کے عزائم کی تکمیل ہوگی، اسی طرح برہمنوادی آئیڈیالوجی کی جڑوں پر تیشہ چلانے کے بجائے سافٹ کور برہمنواد یا نام نہاد سیکولر پارٹیوں کے استحکام کی کوششیں کرنے سے اس ملک کے مسلمانوں کو سوائے خوش فہمیوں کے کچھ ہاتھ آنے والا نہیں ہے، جس برہمنوادی آئیڈیالوجی کے سہارے اس دیش میں مسلمانوں کا قافیۂ حیات تنگ کیا گیا اور اس کام کے لیے سماج کے دیگر طبقات کو استعمال کیا گیا اس آئیڈیالوجی کو توڑنا ضروری ہوگا، اور توڑنے کے لیے پہلے اسے سمجھنا ضروری ہوگا۔ ہم اس ملک میں فکری جنگ (آئیڈیالوجیکل وار) سے دوچار ہیں، فکری جنگ میں آئیڈیالوجی کا مقابلہ آئیڈیالوجی سے ہوتا ہے، آئیڈیالوجی کی جنگ لمبی کھنچتی ہے، اس کی بساط انتخابی مہم کے چند مہینوں میں نہیں لپیٹی جاسکتی، اس کے لیے عزم ونظم، تفہیم وتنظیم اور تحمل وتدبر کی ضرورت ہوتی ہے۔

ہم اس ملک میں جس فکری جنگ سے دوچار ہیں وہ جنگ سیاست کے گلیاروں میں بھی برپا ہے اور سماج کے گلی کوچوں میں بھی، یعنی برہمن وادیوں نے یہ جنگ سیاسی سطح پر بھی چھیڑ رکھی ہے اور سماجی سطح پر بھی، ان لوگوں نے سماج میں گھس کر کئی دہائیوں تک کام کیا ہے اور ان اقوام پر کیا ہے جن کے گلے میں ہزاروں سال سے برہمنوادی غلامی کا طوق پڑا ہے۔ ان اقوام پر ہارڈ کور برہمنواد نے ایک صدی طویل جدوجہد کے بعد جو محاذ تیار کیا ہے اسے ہم صرف سیاسی سطح پر توڑنے کی کوشش کرتے ہیں اس لیے ہماری کوششیں کامیاب ہوتی نظر نہیں آتیں، بل کہ بسا اوقات فرقہ پرست برہمن وادی طبقے کا ہی فائدہ ہوتا نظر آتا ہے۔ دشمن نے اپنی آئیڈیالوجی کو غالب کرنے کے لیے سماجی اور سیاسی دونوں سطحوں پر محنت کی بل کہ سماجی سطح پر محنت کے نتیجہ میں ہی سیاسی فضا اس کے لیے ہموار ہوئی، اس لیے ہمیں سیاسی وزن بنانے کے لیے سماجی سطح پر بھی ذہن سازی کا کم کرنے کی سخت ضرورت ہے۔ سیرت کا مطالعہ ہمیں بتاتا ہے کہ سیاسی استحکام کے لیے سماجی انقلاب ناگزیر ہے۔

سماجی سطح پر کام مسلمانوں کے درمیان بھی کرنا ہے اور غیر مسلموں کے درمیان بھی، مسلم ووٹوں کو منتشر ہونے سے بچانے کے لیے سیاسی شعور بیدار کرنا ہوگا، حلف الفضول کی سنت پر عمل کرتے ہوئے غیر مسلم سماج کے مظلوم ومحروم طبقات اور انصاف پسند افراد کو ساتھ لے کر تحریک چلانی ہوگی، مظلوم ومحروم طبقات اور انصاف پسند عوام کو ساتھ لینے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہم محتاجگی کی نفسیات کے ساتھ کام کریں، بل کہ ہم برابری کی سطح پر خودداری کے ساتھ کام کریں، انھیں یہ باور کرائیں کہ ہم ساتھ مل کر کام اس لیے نہیں کررہے ہیں کہ ہم آپ کے محتاج ہیں، بل کہ ہم یہ کام اس لیے کررہے ہیں کہ اگر ہم یہ کام نہیں کریں گے تو ہمارا بھی نقصان ہوگا اور آپ کا بھی، بل کہ ہم سے زیادہ آپ کا

نقصان ہوگا، اگر آپ برہمن وادی آئیڈیالوجی کے جھانسے میں پھنسے رہے تو آپ یوں ہی شودر واتی شودر بنے رہیں گے، غلامی کے احساس سے دور رکھنے کے لیے مسلم منافرت اور مسلم دشمنی کی شراب آپ کو پلاتی جاتی رہے گی، اور نشہ چڑھا کر آپ کو حقوق سے محروم رکھا جائے گا۔ محتاجگی کے بجائے قائدانہ نفسیات کے ساتھ سماجی سطح پر ذہن سازی کرنے اور سیاسی سطح پر اپنا وزن بنانے کی ضرورت ہے۔

ضروری ہے کہ ہم حالات کا رونا رونے کے بجائے حالات کو سازگار بنانے کی کوشش کریں، فلاں پارٹی کی ہار کو اپنا نصب العین بنانے اور نام نہاد سیکولر پارٹیوں کا ٹھوس ووٹ بینک بننے کے بجائے اپنا سیاسی وزن بھی بنائیں اور سیاسی وژن بھی، سماج کے دیگر طبقات کو ساتھ بھی لیں اور اپنی علیحدہ شناخت اور اس شناخت کی سماجی افادیت وسیاسی وزن کو برقرار بھی رکھیں۔ یہ کرنے کا کام ہے اور مسلسل کرتے رہنے کا کام ہے، یہ راہ قافلۂ سخت کی منتظر ہے، تھک کر رک جانے والے ماہوس ہوکر پلٹ جانے والے اس راہ پر آبلہ پائی نہیں کر سکتے۔

اس ملک سماجی وقار اور سیاسی استحکام کے لیے جو کام کرنے کا ہے اسے نہ کر کے الیکشن کے وقت کم تر نقصان کا فلسفہ قوم کو سمجھانا اور ستر سال سے سمجھاتے رہنا اور پھر الیکشن کے بعد پانچ سال کے لیے حسب معمول فاتح پارٹی کے رحم وکرم پر رہنا کسی زندہ قوم کی پہچان نہیں ہوسکتی۔

ترے مقام کو انجم شناس کیا جانے
کہ خاک زندہ ہے تو، تابع ستارہ نہیں

☆☆☆

پروفیسر حمید نسیم۔ رفیع آبادی

غزل

نہ خوشبوؤں کا تقاضا نہ اب گلوں کی طلب
خزاں رسیدہ چمن کو ہے بلبلوں کی طلب

اداس رات مسلط ہوئی ہے پھر سے یہاں
دلوں میں جاگ اٹھی ہے مسرتوں کی طلب

بہت زمانے سے ویران ہے یہ صحن چمن
چمن کو پھر سے ہے نغموں کی، بلبلوں کی طلب

ہر ایک شخص اداسی یہاں ہے اوڑھے ہوئے
رہی نہیں ہے دلوں میں وہ محفلوں کی طلب

جہاں کو غافل وعیاش کی نہیں ہے طلب
زمانے بھر کو ہے ہم جیسے دل جلوں کی طلب

ہمارے صحن میں جہلم بھی بہہ رہا تھا کبھی
نہ جب اسے تھی کناروں کی، ساحلوں کی طلب

بہار جب بھی ہے آئی یہ دل ہے جھوم اٹھا
رہی نہ اب کے دلوں میں وہ نرگسوں کی طلب

قریب ان کے ہمیشہ رہے، کبھی نہ دور ہوئے
نہ جانے کیوں ہے ہمیں آج فاصلوں کی طلب

نسیم کس کی نظر لگ گئی ہے آج ہمیں
نہ راستوں کی طلب ہے نہ منزلوں کی طلب

سید اصغر۔حیدرآباد

سائنس کی رو سے نماز کے فوائد یوگا سے بہتر نماز

رب کائنات نے اپنے بندوں کو اپنی معرفت کا قربت کا ملاقات کا جو خوبصورت تحفہ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمایا وہ نماز ہے۔نماز ایک مومن کی معراج ہے۔ بندہ اپنے رب سے خضوع وخشوع سے ملاقات کرتا ہے تو نماز سے ہی ہے۔گو کو اللہ اپنے بندوں کی شاہ رگ سے زیادہ قریب ہے لیکن وہ اصول وضوابط کے تحت نماز پڑھتا ہے تو روحانی طور پر وہ سارے افکار وسارے دنیاوی معاملات سے بے خبر ہو جاتا ہے اب اسکی دنیا کچھ وقت کے لیے اپنی مختصر سی جاے نماز تک سمٹ کر رہ جاتی ہے اور وہ اپنے رب سے اس طرح ہمکلام ہوتا ہے کہ کچھ بھی اسے یاد نہیں رہتا۔ دعا کو عبادت کا مغز کہا گیا۔اور دعا بہت بڑی نعمت ک بندہ اپنا دل کھول کر اپنے خالق ک سامنے رکھ دیتا ہے اور جتنا اطمینان وقلبی تسکین حاصل کرتا ہے اس کا کوئی متبادل ذریعہ اور نہیں۔

آج انسان مادیت پسندی کے دور میں اس طرح داخل ہو گیا ہے کہ ہر شخص ذہنی سکون کا متلاشی ہے اور ذہنی تناؤ کی صورتحال اتنی بگڑ چکی ہے کہ لوگ ڈیپریشن کا شکار ہو رہے ہیں۔جب ہم کسی بھی چیز کا تجزیہ کرتے ہیں تو بالکل عام سی صورتحال میں کرتے ہیں اور نتیجہ پر پہنچ کر مطمئن ہو جاتے ہیں۔لیکن اس دور حاظر میں کئی لوگوں نے جب ہماری ذہنی تناؤ اور ہماری بے چینیوں کا تجزیہ کیا۔تو کئی ریسرچ اسکالرز نے یہ نتائج اخذ کئے کہ نماز وہ بہترین عبادت ہے جو ذہنی وجسمانی،نفسیاتی وروحانی طور پر انسان کو مکمل طور پر صحتمند رکھتی ہے۔اس سے پہلے کہ ہم تمام جسمانی ورزشیں اور یوگا سے نماز کا تقابل کریں سرسری طور پر اس کے معاشرتی اور سماجی افادیت سمجھیں۔۔صرف ریسرچ اسکالرز اور دوسری تمام ورزشیں۔یوگا وغیرہ سے اس کا تقابل کریں تا کہ یہ معلومات جن سے کچھ لوگ واقف بھی نہ ہوں ان کے لئے فائدہ بہم پہنچائے گی۔سماجی طور پر انسان کو انسان سے جوڑے رکھتی ہے نماز کتنی خوبصورت عبادت ہے کہ بقول شاعر کے ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود وایاز۔نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز۔بلا تفریق انسانیت سکھاتی ہے۔ ایک ہی رب کے بندے ہر امتیازی سلوک سے مبرا ہونے کا بہترین درس آج تک اور نہ آگے کوئی ہوگا۔ دردمندی ہمدردی بلا رنگ ونسل مذہب کے فرق کے۔ پڑوسیوں کے حقوق پر مذہب اسلام نے جو فرائض واجب کئے بہت ہی اعلیٰ مثال ہے۔

سائنس کے مطابق نماز سے مرتب ہونے والے جسمانی اثرات حد درجہ کمال ہیں بلکہ کمال ہی کمال ہیں کہ آج جس ضروری ورزشوں کو سائنس نے صحت وتندرستی کے لئے لازم قرار دیا وہیں ۱۴۰۰ سال قبل رب کائنات نے اپنے بندوں پر اسے فرض کر دیا کہ آج سائنس جان کر دنگ ہے۔ نماز نہ صرف ہماری دنیا وآخرت کی سرخروی ہے بلکہ یہ ہماری صحت اور تندرستی کا موجب بھی ہے اس کے روحانی نفسیاتی

جسمانی فوائد نماز کے تمام ارکان ادا کرنے میں ہیں۔اللہ کی حکمت پر مبنی نمازوں کی رکعتوں کی ترتیب کو اس طرح سمجھا جاسکتا ہے۔فجر عصر اور مغرب چونک ہم خالی پیٹ ہوتے ہیں تو باترتیب اس وقت کی رکعتیں کم ہے جبکہ ظہر اور عشاء کھانے کے بعد ادا کی جاتی ہیں۔اور نظام معدہ کے لئے بہترین ورزش ہے انسانی جسم میں کولیسٹرول 150 سے 250 ملی گرام ہوتی ہے۔اور اسکی تحلیل کے لئے بدنی ورزش اشد ضروری ہوتی ہے پنج وقتہ نماز کی پابندی منفرد ورزش کے معمولات سے گزرتا ہے تو یہ فٹنس کو برقرار رکھنے میں مدد کرتے ہیں پٹھوں کی مضبوطی (عضلات کی قوت کو بڑھانے کی صلاحیت) اور پٹھوں کی برداشت میں بہتری آتی ہے۔ اور ان خلیوں کو توانائی فراہم کرتی ہے یہ خلیے جب توانائی حاصل کرتے ہیں تو دماغ میں دوسری طرف دماغ سے ایک برقی رو ہاتھوں میں منتقل ہوجاتی ہے اور ہاتھ جب اللہ اکبر کہہ کر باندھتے ہیں تو مراقبہ کی کیفیت شروع ہوجاتی ہے اور بندہ کے ذہنوں دل میں روشنی کی طرح برقی رو کی طرح یہ پیغام سرایت کرجاتا ہے اللہ بہت بڑا ہے جب وہ سورتوں کی تلاوت کرتا ہے تو جتنا سورتوں کے مفہوم سے واقف ہوگا تو اسکا خشوع خشوع انتہای اعلی درجہ پر پہنچ جائے گا۔

خواتین جب نماز میں سینہ پر ہاتھ باندھتی ہیں تو خواتین کے وہ خاص غدود پر مثبت اثرات مرتب ہوتے ہیں جو کہ سینے میں رب کریم نے پیدا کئے ہیں جن پر نوزائیدہ بچوں کی غذا کا دارومدار ہے۔ جدید سائنس کی روشنی میں انسان جب رکوع میں ہاتھوں کی انگلیوں سے گھٹنوں کو پکڑتا ہے تو انگلیوں کے دباؤ کا اثر گھٹنوں پڑتا ہے جس سے گھٹنوں کے اندر صحت مند لعاب برقرار رہتا ہے جو جوڑوں کی تکلیف سے نجات کا سبب بنتا نماز پڑھنے والے مرد و خواتین کے بچوں کے اندر براہ راست فرمابرداری کا عنصر پایا جاتا ہے ہیں اور جس کی وجہ سے بچوں میں اچھی صفات' خوش رہنے کی عادت' سمجھ بوجھ' تفکر و تدبر کی صلاحیتیں بیدار ہوجاتی ہیں۔ اور ان بچوں میں بے خوفی، اطمینان کی صفات بھی پائی جاتی ہیں جب سایکالوجی نے یا بات ثابت کردی ہے نفسیات کا تعلق انسان کے تمام اعصاب پر پڑتا ہے بقول شخصے صحتمند جسم میں ہی صحتمند دماغ ہوتا ہے۔

رکوع سے واپسی پر جب بندہ قیام کی طرف لوٹتا ہے تو دماغ کے اندر کی توانیاں اور احساسات دوبارہ اعصاب میں تقسیم ہوتی ہیں اور انسان چاق و چوبند ہوجاتا ہے۔ رکوع میں کمر درد کے لیے بہت افاقہ ہے رکوع میں جب پیٹ پر دباؤ پڑتا ہے تو معدے سے منسلک کے مسائل دور ہوتے ہیں گردوں کی صحتمندی اس میں مضمر ہے اور دوران رکوع ان کے عضلات میں کھنچاؤ پیدا ہوتا ہے اور فعال ہوتے ہیں قیام کی طرف لوٹتا ہے تو دماغ کے اندر کی روشنیاں دوبارہ اعصاب میں تقسیم ہوتی ہیں۔

جب نمازی اپنی پیشانی صرف اللہ کیلئے زمین پر رکھ دیتا ہے اور تصور یہ ہو کہ رب کریم کی بارگاہ میں حاضر ہوا ہے اور دنیا و مافیہا سے بے خبر اپنی حاجتوں کو اپنی پریشانیوں کو اسکی بارگاہ میں رکھ کر اتنا مطمین ہوجاتا ہے کہ بس اس پر بھروسہ اسے ہر منفی سوچ سے محفوظ رکھتا ہے اور ہر منفی طاقت اس کے آگے گھٹنے ٹیک دیتی ہیں۔ایسا انسان جو بے خوف ہوتا ہے ہر نفسیاتی مسائل محفوظ بھی رہتا ہے۔اور اسکا بھروسہ رب کریم کی ذات پر ہوتا ہے جو کچھ بھی ہوگا خیر کا معاملہ ہی ہوگا۔اطمینان کسی بھی انسان کے لئے ضروری ہوتا ہے۔

نماز سے وابستہ کی ورزشیں کئی فوائد کی حامل ہیں اور ہمارے جسم کے دیگر اہم کام کو متحرک کرتا ہے۔ رکوع میں کمر پر جھکنا، ہاتھوں کی ہتھیلیوں کو انگلیوں کے ساتھ گھٹنوں پر پھیلانا۔ پیٹھ زمین کے متوازی ہے، اس طرح کہ اگر پانی کا پیالہ پیٹھ پر رکھا جائے تو چھلکتا نہیں۔ آنکھیں نیچے دیکھ رہی ہیں، براہ راست آگے۔ فائدہ مند اثرات یہ ہیں کہ دل خون کو اوپری دھڑ میں پمپ کرتا ہے کیونکہ ہمارے پٹھوں میں کھینچاو پیدا ہوتا ہے۔ یہ ہمارے پٹھوں کو بھی مظبوط کرتا ہے دوبارہ سیدھے کھڑے ہونے کے فائدہ مند اثرات یہ ہیں جسم کو آرام دیتا ہے اور تناؤ کو دور کرتا ہے۔ سجدہ کی حالت میں گھٹنے ٹیکنے کی پوزیشن پر، دونوں ہاتھوں کو گھٹنوں پر رکھ کر، اپنے آپ کو آہستہ آہستہ اور آسانی سے گھٹنوں پر پھر سر کو زمین پر جھک جانا اس میں دماغ کو خون کی فراہمی۔ اور آکسیجن دستیاب ہوتی ہے جو انسان کی ذہنی صحت نفسیاتی صحت کا قوت یادداشت اور ذہانت میں بہتری کا باعث بنتا ہے سجدے کے دوران ہم جس طرح بیٹھتے ہیں وہ یوگا میں وجرا آسن کہلاتا ہے، یہ سجدے کی حالت رانوں اور پچھلے پٹھوں کو مظبوط کرتی ہے۔ ریڑھ کی ہڈی کو سیدھا اور مضبوط بناتی ہے۔ سجدہ دماغ پھیپھڑوں، دل، جوڑوں ،اور معدے کو صحتمند طریقے سے فعال رکھتا ہے پاؤں کی انگلیاں۔ اس حالت کی آخری پوزیشن ہے۔ اور جب سجدے کی حالت میں پیٹ کے مسلز پر دباؤ بڑھتا ہے تو یہ مضبوط ہو کر کولیسٹرول کے کم کرنے کا باعث بنتا ہے۔

سلام۔ سلام میں جب گردن پھیری جاتی ہے۔ یہ گردن کے جوڑوں کی بہترین ورزش ہے شانوں اور اسکے عظلات کو لچکدار بناتا ہے سر درد میں آرام ملتا ہے اور تاہم یہ کہنا زیادہ درست ہوگا کہ صحت کے نظام میں۔ اگر مکمل طریقے سے اور باقاعدگی سے نماز ادا کی جائے تو یہ رب کی رضا کے ساتھ صحتمندی کی موجب ہے اور جب ہم کسی بھی ورزش اور یوگا کے اقسام سے اس کے تقابل کیا جائے تو ایک بڑی حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے کہ ہر ورزش کے منفی اور مثبت پہلو ہوتے ہیں اور نماز ایک ایسی عبادت ہے جن میں اس کے ۱۶ ارکان بذات خود بہترین اور صرف مثبت پہلوؤں کے ساتھ اثر انداز ہوتے ہیں جس میں کوئی منفی اثرات مرتب نہیں ہیں بلک ایک صحتمند زندگی کی بنیاد ہے۔

مراقبہ کی جدید سائنس نے تجربات کی بنیاد پر یہ اخذ کیا ک انسانی ذہن اور جسم پر انتہای اعلیٰ مثبت اثرات مرتب کرتا ہے۔ مراقبہ پر عالمگیر سطح پر زور وشور سے توجہ دی جارہی ہے۔ اسکول کالجز میں اسے مسلمہ مضمون قرار دیا جارہا ہے۔ آج کے اس پر آشوب دور میں۔ ہر شخص ذہنی سکون اور قلبی اطمینان کی تلاش میں بھٹک رہا ہے اور ریسرچ اسکالرز اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ نماز نہ صرف دیگر جسمانی ورزشوں اور یوگا سے بہترین ہے بلک یوگا کا ایک حصہ مراقبہ کا بھی بہترین ذریعہ ہے۔

مراقبہ کے ذریعے بندے کا یہ یقین پختہ ہوتا ہے۔ اللہ ہر شئے پر قادر ہے۔ یہ سکون بہم پہنچاتا ہے اور فطری طور پر انسان تفکرات سے آزاد ہوجاتا ہے۔ اور اسکے ذہنی و نفسیاتی حالت مستحکم ہوتی ہے۔ اس بات کی کامیابی کا اندازہ لگانے کے لئے یہ معلومات کافی ہے دیگر ممالک کے برخلاف مسلم ممالک میں نفسیاتی مسائل اور معالج نا کے برابر ہیں۔

الغرض نماز بہترین عبادت ہے اور دُعا عبادت کا مغز ہے۔ اللہ رب العزت کا کتنا بڑا احسان ہے کہ وہ ہمیں اپنی عبادت کے ذریعہ اپنا قرب۔ صحت۔ اور اپنی رضا عطا فرماتا ہے۔ اللہ ہم سب کو نمازوں کا پابند بنائے۔ آمین

خیر النساء علیم۔ملک پیٹ،حیدرآباد

ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات

جیسا کہ روزمرہ کی زندگی میں ہمارا یہ عمومی مشاہدہ ہے کہ ہم ایک دوسرے پر اپنی برتری یا دوسرے الفاظ میں انفرادیت کے لئے کوشاں رہتے ہیں۔ بلکہ اکثر وبیشتر افعال واعمال کی پشت پر یہی محرک کام کرتا ہے۔

مثلاً کسی نوجوان کا یہ احساس کہ میں ایک علمی اور دینی گرانے کا چشم وچراغ ہوں۔ یا میرا تعلق طلباء کی ایک اسلامی جماعت سے ہے اور میری جماعت، میرے خاندان اور میرے والدین کو مجھ سے بڑی امیدیں وابستہ ہیں، مجھے چوراہوں پر کھڑے رہنا، بلاضرورت ہوٹلوں میں بیٹھ کر وقت ضائع کرنا وغیرہ زیب نہیں دیتا، بظاہر اس احساس میں بھی خاندانی وجماعتی برتری کا عنصر پنہاں ہے، عالمی سطح پر اوپر اٹھنے کا میلان ہے اور عمومیت سے خصوصیت کی طرف پرواز بھی ہے۔ مگر یہی برتری اس میلان اور پرواز کی تکمیل کے لئے ایک قوت محرکہ فراہم کرتی ہے اور اسی کے زیر اثر یہ نوجوان چورستوں پر کھڑا ہونے اور ہوٹلوں میں گپ بازی سے اجتناب کرتا ہے تو پھر یہی احساس برتری اس کے حق میں زہر نہیں بلکہ تریاق کا اثر رکھتا ہے.....

اسی طرح کسی لڑکی کے اندر یہ احساس کہ رات دیر گئے تک کسی پارٹی میں شرکت یا نام نہاد تہذیبی سرگرمیوں کے نام پر اسٹیج پر نمایاں ہونا، یہ تو ہمارے مذہبی اور خاندانی روایات کے خلاف ہے۔ دوسروں کو اس کا پاس ولحاظ نہ ہو، مجھے تو یہ چیز زیب نہیں دیتی، اس احساس کی اساس میں دیگر اور احساسات کے ساتھ خود کو دوسروں سے الگ تھلگ کرنے یا ایک خاص سطح پر پہنچنے کے جذبے میں مذہبی اور خاندانی برتری کا احساس بھی کسی نہ کسی تناسب میں شامل ہے۔ لیکن ان پرکشش پروگراموں اور دلوں کو لبھانے والی سرگرمیوں کی مقناطیسیت سے نکلنے کے لئے ایک قوت محرکہ درکار ہے۔ جو یا تو احساس ذمہ داری اور احساس جواب دہی سے پیدا ہوتی ہے۔ یا پھر برتری کا یہی احساس ان دلفریبوں اور ان دلچسپیوں کے آگے خود سپردگی سے بچالے جاسکتا ہے۔

ایک شکل وصورت کی لڑکی یا عورت کو کسی خوب رو اور مالدار لڑکے یا مرد کی وجاہت اور حیثیت سے غیر متاثر ہونے میں بھی یہی برتری کا احساس ایک کلیدی رول ادا کرتا ہے۔ ورنہ اپنے تئیں کسی کمی یا کمتری کا احساس ایک شدید ذہنی الجھن کو پیدا کردیتا ہے جس سے نفسیاتی طور پر زندگی تلخیوں کے گرداب میں چکر کھانے لگتی ہے۔

ایک اور مثال کہ والدین جس محلہ، کالونی یا بستی میں قیام پذیر ہیں۔ اگر اطراف واکناف میں ہم عمر بچوں اور نوجوانوں کی حرکات اور سکنات ان کی گفتگو، معاشرت یا پھر زبان وبیان کے حوالے سے ماحول کچھ اس طرح کا ہے باہر گلی کے نکڑ پر فحش کلامی، نظر بازی اور بدتمیزی ایک عام سی بات ہو، گھر کی فضاء میں باپ دوست کے درجہ تک بھی نہ پہنچ

رخشاں ہاشمی۔شاہ زبیر روڈ، مونگیر (بہار)

غزل

پیار تمہارا ہو سکتا ہے
درد ہمارا ہو سکتا ہے

اتنے ہی بس غم کافی ہیں
دل کا گزارہ ہو سکتا ہے

تُم تھوڑی ہو حرفِ آخر
عشق دوبارہ ہو سکتا ہے

اس کے جنوں سے اپنا دامن
پارہ پارہ ہو سکتا ہے

تیاری سب کوچ کی رکھیو
اس کا اشارہ ہو سکتا ہے

رخشاں راہِ عشق میں اکثر
دل بنجارا ہو سکتا ہے

سکا اور ماں کی ہستی خادمہ کا روپ دھارن کر چکی ہو تو اس پُر آشوب منظر میں اگر کچھ حساس والدین اپنے بچوں کو عمومی میل جول سے تاکیداً منع کرتے ہیں اور ان پر کڑی نظر رکھتے ہیں تو ان امتناعی احکامات میں بھی دیگر عوامل کے ساتھ ساتھ اپنے نونہالوں اور نوجوانوں کے تئیں برتری کا احساس بھی پایا جاتا ہے یا محسوس یا غیر محسوس طریقہ سے انہیں یہ احساس دلایا بھی جاتا ہے اور اگر یہ احساس حدِ اعتدال میں ہو جس سے کسی کی دل شکنی یا تحقیر کا پہلو نہ ہو تو پھر احساس برتری زہر کا اثر نہیں رکھتی بلکہ احتیاط کے ساتھ اس احساس کی موجودگی ایک قوت محرکہ کا کام دیتا ہے۔ جو ٹھوکر کھانے گرنے یا بگڑنے سے بچاتی ہے۔

برتری کے احساس کا اعتدال پر رہنا بے حد ضروری ہے ورنہ اس میں خلل پیدا ہونا شروع ہو جاتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ مرد اور عورت کے تعلقات میں برتری کا احساس صدیوں سے کارفرما رہا ہے۔ایک طرف قوت، طاقت برتری کی خواہاں ہے تو دوسری طرف حسن وجمال برتری کی جانب مائل بہ پرواز ہے۔ جب کبھی اس احساس اور خیالات کی تشفی نہیں ہو پاتی تو اس کا ردِ عمل ایک فطری بات ہے اس کے دو ہی نتیجہ سامنے آسکتے ہیں یا تو یہ کہ یہ مزید قوت حاصل کر کے یا بے قابو ہو کر شدید ترین صورت میں ظاہر ہوگا یا اس قدر دب جائے گا کہ اس سے اعصابی امراض یا ذہنی خلل پیدا ہو جائے گا۔ پہلی صورت میں حدِ اعتدال سے تجاوز برتری کا احساس، بے رحمی، سنگ دلی، مار پیٹ اور قانون شکنی کی صورت میں ظاہر ہوگا۔ جہیز کی لعنت، کثرت طلاق اور دلہنوں کے ساتھ زیادتی کے واقعات معاشرے میں اس پہلی صورت کی منہ بولتی تصویریں ہیں۔ دوسری صورت میں اس احساس کی مناسب اور تناسب موجودگی کو بھی دبا دیا جائے تو پھر یہ صرف اسی احساس کی نہیں بلکہ ایک قوت محرکہ کی موت ہے۔ جو آخر کار دماغی عوارض اور اعصابی امراض کی شکل میں اپنی نکاسی کی راہ نکال لے گا۔ رنج والم، بزدلی، کم ہمتی، بے سکونی، بے خوابی، بے سبب رونا اور بلا وجہ ہنسنا، حتیٰ کہ خود کشی یہ سب اسی احساس برتری کی متبادلہ شکلیں ہیں۔ ان سب احساسات سے بچنا بے حد ضروری ہے۔ نہ اتنا احساس برتری میں مبتلا ہوں اور نہ ہی احساس کمتری کا شکار ہوں.....

شاہ عبد الرشید سہیلؔ چن پٹن، بنگلور، کرناٹک

نعت رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم

با وضو ذکر خیر الاممؐ کیجئے
نعت ختم رسلؐ یوں رقم کیجئے

جو ہوا عاشقِ خاتم الانبیاء
اس نے بے شک رضائے خدا پالیا

عشق احمد ہے عشق خدا برملا
یاد ان کی بہر دم بہ دم کیجئے

راستہ حق کا اس کو بھی مل جائے گا
دین اسلام پر جو بھی چل جائے گا

جو برا وقت آیا وہ ٹل جائے گا
بس محبت یہ دنیا سے کم کیجئے

چھوڑ دو شرک وبدعت کی ہر اک ڈگر
کچھ تو پیدا کرو دل میں خوفِ سقر

نورِ وحدت کو پانا ہے دل میں اگر
دل کے بت خانوں کو منہدم کیجئے

نام احمد ہے بعد از خدا معتبر
چند برسوں کی تبلیغ کا ہے ثمر

سارے عالم میں وحدت کا پھیلا اثر
ورد نام نبی ہر قدم کیجئے

سرورِ انبیاء آپ کی شان ہے
آپ سے حق کی دنیا میں پہچان ہے

آپ کی آقا امت پریشان ہے
اس کو پھر ایک دھارے میں ضم کیجئے

آپؐ کا فیض انساں جو انسان ہے
آپ کے صدقے حاصل یہ قرآن ہے

روز محشر شفاعت کا ارمان ہے
دور ہم سے ہر اک رنج وغم کیجئے

آپ ہیں با صفا، آپ ہیں بے خطا
آپ ہیں رحمت عالمیں بے شبہ

کرتا ہے آپ سے یہ سہیلؔ التجا
اس پہ بھی اک نگاہِ کرم کیجئے

☆☆☆☆☆

ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی کی دو کتابیں: تعارف ونظر

ماہنامہ صدائے شبلی میں ہر ماہ ادارے کی طرف سے کتاب پر تبصرہ کیا جائے گا، اس لئے مصنفین، مولفین اور مرتبین سے گزارش ہے کہ وہ تبصرے کے لئے دوعدد کتابیں ضرور ارسال کریں۔ (ادارہ)

مبصر: **اسامہ ارشاد معروفی قاسمی**۔ پورہ معروف کرتھی جعفر پور ضلع مئو، یوپی

علامہ شبلی اور ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی کے بارے میں قد آور ناقد و محقق پروفیسر شمس الرحمٰن فاروقی نے لکھا ہے کہ ''حجت الاسلام علامہ شبلی نعمانی نے بہت کم عمر پائی، ان کا زمانۂ تصنیف وتالیف وتدریس بھی نسبتاً بہت مختصر تھا لیکن بلاخوف تردید کہا جاسکتا ہے کہ صرف تصنیفات ہی کا جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ موضوعات کے تنوع، مطالعے کی وسعت، تفکر کی گہرائی اور گیرائی اور استحضار علم کے اعتبار سے ان کا ثانی مسلمانوں میں علم کی بہار کے زمانے میں البیرونی، بوعلی، غزالی جیسوں میں تو مل سکتا ہے؛ لیکن شبلی کے اپنے زمانے سے لے کر آج تک شبلی کا ثانی تو کیا، ایسا بھی کوئی نہ ہوا جسے ہم شبلی کا ظل کہہ سکیں۔ شبلی پر بہت لکھا گیا ہے لیکن سوانح کے نقطۂ نظر سے اور علمی مباحث کے نقطۂ نظر سے بھی بہت چھان بین ابھی باقی ہے۔ ہمارے دوست محمد الیاس الاعظمی نے پوری زندگی مطالعۂ شبلی میں گذار دی ہے۔ یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ اب شبلی اور الیاس الاعظمی لازم وملزوم ہوگئے ہیں۔'' فاروقی صاحب کی یہ تحریر بڑی اہمیت کی حامل ہے اور معنی خیز بھی ہے بہت کچھ بیاں کر رہی ہے۔

شبلی کے حوالے سے ڈاکٹر الیاس الاعظمی کی ویسے تو کئی کتابیں میرے مطالعے میں آچکی ہیں؛ لیکن فی الحال جس کتاب پر لکھ رہا ہوں (شبلی خودنوشتوں میں) اس کی اشاعت ۲۰۱۸ء میں ہوئی ہے؛ لیکن ابھی مہینہ بھر پہلے اس کتاب کے مطالعہ کا مجھے موقع ملا، مطالعہ کے بعد پہلا جملہ جو میری زبان سے نکلا وہ یہ کہ ''یہ تو علامہ شبلی کے حوالے سے بالکل اچھوتا اور نیا موضوع ہے اور ڈاکٹر صاحب نے موضوع کا حق بھی ادا کردیا ہے جو ان کی شناخت ہے۔ کتاب کا ''پیش لفظ'' پروفیسر شمس الرحمٰن فاروقی کے قلم سے ہے اور انھوں نے بھی اس بات کا اعتراف اپنے انداز میں یوں کیا ہے:

> ''الیاس الاعظمی نے ایک بالکل نیا موضوع دریافت کیا ہے: شبلی کا ذکر خودنوشتوں میں۔ یہ موضوع کچھ ایسا غیر متعین سا ہے کہ اس کا نہ کوئی نقطۂ آغاز ہے اور نہ نقطۂ انجام۔ پھر بھی، الیاس الاعظمی نے کم و بیش چوبیس ایسی خودنوشتیں تلاش کی ہیں جن میں شبلی کا ذکر کسی اہم انداز میں کیا گیا ہے۔ یہ تعداد کم نہیں؛ بلکہ بڑی حد تک استعجاب انگیز ہے، اتنے بہت سے اہم لوگوں نے شبلی کا ذکر اپنی خودنوشت میں کیا، یہ امر بجائے خود شبلی کی عظمت اور اہمیت کو ثابت کرتا ہے۔ محمد الیاس الاعظمی نے حسب معمول دقت نظر سے کام لیا ہے اور شبلی شناسی کا حق ادا

کردیا ہے۔ خدا ان کی کوششوں کو مزید ترقی دے۔ شبلی کو الیاس الاعظمی جیسا جاں نثار زیب بھی دیتا ہے۔'' (صفحہ ۱۰)

''شبلی خودنوشتوں میں'' یہ ایک ایسی کتاب ہے جس میں علامہ شبلی کی شخصیت، ان کی تصانیف اور ان کے متنوع کارناموں کا بھی ذکر ملتا ہے اور ساتھ ہی علامہ کی زندگی کے بعض فراموش شدہ واقعات بھی سامنے آئے ہیں، جن سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ کیسی کیسی اہم اور قد آور شخصیات نے علامہ شبلی سے استفادہ کیا ہے اور ان سے متاثر ہوئے ہیں؛ کیونکہ اس کتاب میں جن خودنوشتوں کا مطالعہ پیش کیا گیا ہے ان کے مصنفین علمی، ادبی تعلیمی اور سیاسی تاریخ میں ممتاز اور نمایاں مقام رکھتے ہیں، ان مصنفین میں علامہ کے احباب بھی شامل ہیں اور معاصرین بھی۔ تلامذہ بھی شامل ہیں اور منتسبین بھی اور بعد کے متاثرین بھی چونکہ یہ نامور شخصیات علم وادب، دین ومذہب اور تاریخ وسیاست کے متنوع موضوعات سے تعلق رکھتی ہیں اس لیے علامہ شبلی کے ذکر میں بھی بڑا تنوع پیدا ہوگیا ہے، اس کتاب میں کل ۲۴؍ خودنوشتوں کا مطالعہ و تجزیہ پیش کیا گیا ہے، ان خودنوشتوں اور ان کے مصنفین کے اسمائے گرامی اس طرح ہیں: ''اختر اقبال'' (نواب سلطان جہاں بیگم) ''آپ بیتی'' (میر ولایت حسین) ''یاد ایام'' (عبدالرزاق کانپوری) ''تذکرہ طاہر'' (نواب سید محمد علی حسن خاں) ''میری کہانی میری زبانی'' (سید ہمایوں مرزا) ''مشاہدات وتاثرات'' (شیخ محمد عبداللہ پاپامیاں) ''آپ بیتی'' (خواجہ حسن نظامی) ''میری زندگی'' (مولانا محمد علی جوہر) ''اعمال نامہ'' (سر رضا علی) ''تذکرہ'' (مولانا ابوالکلام آزاد) ''آزاد کی کہانی خود آزاد کی زبانی'' (مولانا ابوالکلام آزاد) ''میرا افسانہ'' (ملا واحدی) ''سرگزشت'' (مولانا عبدالباری ندوی) ''یادایام'' (مولانا ضیاء الحسن علوی) ''آپ بیتی'' (مولانا عبدالماجد دریابادی) ''آشفتہ بیانی میری'' (رشید احمد صدیقی) ''میں اور میری ادبی صلاحیت'' (مرزا احسان احمد) ''خاطرات'' (ظفر حسن ایبک) ''غبار کارواں'' (مولانا سعید احمد اکبرآبادی) ''کاروان زندگی'' (مولانا سید ابوالحسن علی ندوی) ''نقوشِ زندگی'' (مولانا مجیب اللہ ندوی) ''سرگزشت ایام'' (حافظ نذر احمد) ''دھوپ چھاؤں'' (پروفیسر ریاض الرحمٰن شروانی) ''حکایت ہستی'' (مولانا اعجاز احمد اعظمی)۔ کتاب کے آخر میں ایک ضمیمہ بھی شامل کیا گیا ہے جس میں مولانا محمد عمران خاں ندوی کی مرتبہ کتاب ''مشاہیر اہل علم کی محسن کتابیں'' میں شامل اہل علم ودانش کے مضامین سے ان اقتباسات کو نقل کیا گیا ہے جن میں ان شخصیات کے شبلی اور تصانیف شبلی سے متاثر ہونے کی داستان ملتی ہے۔

ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی نے کتاب میں خودنوشتوں کا مطالعہ اس طرح سے پیش کیا ہے کہ پہلے خودنوشتوں اور ان کے مصنفین کا اجمالی تعارف بیان کیا ہے پھر مختصر تمہید کے ساتھ علامہ شبلی سے متعلق اقتباسات کو نقل کیا ہے پھر ان کا تعارف تجزیہ پیش کیا ہے اگر کوئی تسامح ہوا ہے تو اس کی نشاندہی اور مستند حوالوں سے اس کی تصحیح وتوضیح بھی کی ہے، تنقید اور تنقیص کے پہلوؤں کا معروضی انداز میں تجزیہ بھی پیش کیا ہے اگر سوانح شبلی میں کسی واقعہ کا اضافہ ہے تو اس کی بھی وضاحت کی ہے، اسی طرح علامہ شبلی سے مصنفین کے روابط اور فکری مؤثرات کا بھی ذکر کیا ہے، انھوں نے علامہ

کے فکر وفن پر اگر اور بھی کچھ لکھا ہے تو اس کی تفصیلات بھی درج کی ہے۔ الغرض ڈاکٹر الیاس الاعظمی نے موضوع کا حق ادا کرنے میں کوئی کمی نہیں چھوڑی ہے۔ کتاب ۳۱۲ر صفحات پر مشتمل ہے۔ قیمت ۴۰۰ر روپئے ہے۔ ادبی دائرہ اعظم گڑھ سے حاصل کی جاسکتی ہے۔

علامہ شبلی نعمانیؒ (متوفی ۱۸ر نومبر ۱۹۱۴ء) کی زندگی میں اور ان کی وفات کے بعد بھی جس طرح سے علامہ کی شخصیت، افکار، تصانیف اور ان کے علمی و تحقیقی کارناموں پر اہل علم و دانش نے مضامین و مقالات قلم بند کیے ہیں اسی طرح شعرا و ادبا نے بھی اپنی شعری تخلیقات میں علامہ شبلی کے متنوع کارناموں کا ذکر کیا ہے۔ استقبالیہ نظمیں، قصائد اور ان کی وفات کے بعد اخبارات و رسائل میں بکثرت مراثی، تاریخی قطعات، رباعیات اور نظمیں بھی شائع ہوئیں۔ علامہ پر مختلف اہل علم کے مقالات و مضامین کے تو دسیوں مجموعے شائع ہوئے مثلاً واصل عثمانی کے دو مجموعے (۱) شبلی ادیبوں کی نظر میں (۲) ''شبلی نقادوں کی نظر میں'' لاہور سے شائع ہوئے، اسی طرح ناز صدیقی نے اسی نام سے ایک اور مجموعہ حیدرآباد سے شائع کیا۔ یوم شبلی اور سمیناروں کے مقالات کے بھی کئی مجموعے منظر عام پر آئے، ان سب کے بعد پروفیسر ظفر احمد صدیقی نے بھی قدیم مضامین و مقالات کا مجموعہ ''شبلی معاصرین کی نظر میں'' اردو اکادمی لکھنؤ سے ۲۰۰۵ء میں شائع کیا مگر اب تک علامہ شبلی پر لکھی جانے والی نظموں کا کوئی مجموعہ شائع نہیں ہوا جبکہ علامہ شبلی خود اردو و فارسی کے پختہ مشق، قادر الکلام اور صاحب دیوان شاعر تھے، اردو و فارسی میں انھوں نے بڑی پُر وقار اور پُر اثر طرح دار شاعری کی ہے اور معاصر شعرا کی بزم میں شریک بھی ہوتے رہے۔ ڈاکٹر الیاس الاعظمی کتاب کے دیباچہ میں لکھتے ہیں:

''واقعہ یہ ہے کہ علامہ شبلی کی عظمت میں ان کی شاعری بھی شامل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ شعرا کی بزم میں بھی مسند نشیں رہے، ان کے احباب میں مولانا حالی، عزیز لکھنوی، اکبرالہ آبادی، نواب سید علی حسن خاں، مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی، احسن اللہ خاں ثاقب، سید ظہور الحسن موسوی وغیرہ سب شاعر تھے، اسی طرح ان کے تلامذہ میں مولانا حمید الدین فراہی، مولانا سید سلیمان ندوی، اقبال احمد خاں سہیل، مولانا محمد علی جوہر، مولانا ظفر علی خاں، خوشی محمد ناظر اور حافظ ولایت اللہ وغیرہ بھی شاعر تھے اور داد سخن دیتے رہے۔ علامہ شبلی ان کی ادبی محفلوں کی جان رہے۔ چنانچہ علامہ شبلی کی زندگی میں جب کوئی قابل تحسین موقع آیا، ان شعرا نے ان کی عظمت اور کارناموں کو شعری قالب عطا کرنے میں فراخ دلی سے کام لیا۔'' (صفحہ ۱۳)

زیر تعارف کتاب ''شبلی سخنوروں کی نظر میں'' دراصل شعرا و ادبا کی انھیں نظموں کا مجموعہ ہے جسے ڈاکٹر الیاس الاعظمی نے بڑے سلیقے سے مرتب کر کے شائع کیا ہے۔ موصوف مبارک باد کے مستحق ہیں کہ انھوں نے شبلی کی اس جہت کو بھی محفوظ کر دیا ہے۔ کتاب کے مطالعہ کے بعد پروفیسر محسن عثمانی نے ڈاکٹر صاحب کے بارے میں یوں لکھا ہے۔

> ''ان نظموں کو جمع کرنے کے لیے انھوں نے ہر کنوئیں میں ڈول ڈالا اور ہر خزانہ علم تک رسائی حاصل کی۔ انھوں نے ان کو اس طرح جمع کیا جس طرح چیونٹی شکر کے دانے جمع کرتی ہے یا

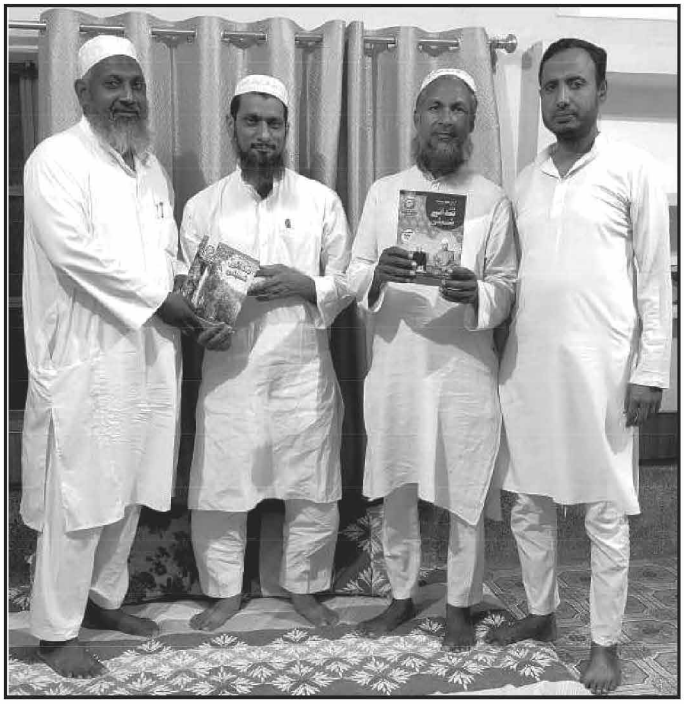

شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل ٹرسٹ حیدرآباد کے چیرمین ماہنامہ صدائے شبلی حیدرآباد کے ایڈیٹر مولانا ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی اپنے دیرینہ رفیقوں کے ساتھ مولانا محمد عارف قاسمی، مولانا محمد فیضان قاسمی اور مولانا محمد طیب قاسمی کو اعظم گڑھ میں ماہنامہ صدائے شبلی حیدرآباد کا خصوصی تازہ شمارہ پیش کرتے ہوئے۔

جس طرح ایک پرندہ اپنے آشیانہ کی تعمیر کے لیے ہر طرف سے تنکا اور سامان جمع کرتا ہے۔ جب تک ایک محقق اپنے مقام سے آگے بڑھ کر شہید جستجو نہ بن جائے وہ ایسی گراں مایہ علمی خدمت نہیں انجام دے سکتا۔''

اس کتاب میں مولانا محمد فاروق چریاکوٹی سے اکبر علی خاں عرشی زادہ تک کل ۵۴؍شعرا کی شعری کاوشیں شامل ہیں۔ اصناف سخن کے لحاظ سے قصیدہ، مثنوی، مرثیہ، قطعہ، رباعی، مسدس، نظم، غزل، کتبہ (لوح مزار) وغیرہ تقریباً تمام اصناف شامل ہیں اور یہ تمام تخلیقات مختلف بحروں اور زمینوں میں ہیں، اس لیے اس میں بھی بڑا تنوع اور رنگارنگی پیدا ہوگئی ہے اور کتاب کی اہمیت اس لیے بھی دو چند ہوگئی ہے کہ اس میں تمام شعرا کے مختصر حالات اور کارناموں کے ساتھ علامہ شبلی سے ان کے ربط وتعلقات کی نوعیت بھی واضح کردی گئی ہے۔ ہاں بعض گمنام اور کم معروف شعرا کے حالات ڈاکٹر صاحب کی تمام تر کوششوں کے باوجود دستیاب نہ ہوسکے اس لیے وہ شامل ہونے سے رہ گئے اور کتاب کے حوالے سے ایک بات یہ کہ اس میں معیاری منظومات، قطعات اور رباعیات کے ساتھ ساتھ بعض کمزور شاعرانہ نظمیں بھی شامل کرلی گئی ہیں؛ بلکہ سچ بات یہ ہے کہ ڈاکٹر الیاس الاعظمی نے امکانی حد تک کوشش کی ہے کہ کوئی بھی تخلیق چھوٹنے نہ پائے، اس لیے اس کتاب میں بڑے متنوع قسم کے شاعرانہ جذبات بھی آگئے ہیں اور علامہ شبلی کے فضل وکمال کا ایک عمدہ منظوم مرقع سامنے آگیا ہے۔ کتاب ۳۱۲؍صفحات پر مشتمل ہے۔ قیمت ۳۰۰؍روپئے ہے۔ اشاعت ۲۰۱۲ء کی ہے اور ادبی دائرہ اعظم گڑھ سے حاصل کی جاسکتی ہے۔

☆☆☆

شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل ٹرسٹ حیدرآباد کی جانب سے فقیہ العصر حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب کو صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ منتخب ہونے پر ادارے کی جانب سے مبارک باد پیش کی جاتی ہے ادارہ یہ امید کرتا ہے کہ جو موجودہ وقت میں ملت اسلامیہ کو کئی چیالنجس کا سامنا ہے اس کے لیے مسلم پرسنل لاء بورڈ مضبوط لائحہ عمل تیار کرے گی۔

تہنیتی تقریب میں انفرادی طور پر شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل ٹرسٹ حیدرآباد کے چیرمین ماہنامہ صدائے شبلی حیدرآباد کے ایڈیٹر مولانا ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی نو منتخب صدر سے مل کر مبارک باد پیش کرتے ہوئے۔

DR. S.J HUSSAIN
MD (Unani)
Former director Incharge
Central Research Institute Of Unani Medicine
Govt of India

website: www.unanicentre.com
Email:syedjalilhussain@gmail.com
jaleel_hussain@yahoo.com

Dr. Jaleel's

یونانی سینٹر فار کارڈیک کیر

UNANI CENTER FOR CARDIAC

Consultation Time
Morning: 9:00 am to 2:00 pm
(Friday Morning and Sunday Evening Closed)

Cell:
+91 8142258088
+91 7093005707

Adress -: No: 8-1-332/3/B-69, RoadNo 1(A)Arvind Nagar Colony
Tolichowk Hyderabad - 500008 T.S India

شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل اینڈ چیرٹیبل ٹرسٹ، حیدرآباد

SHIBLI INTERNATIONAL
EDUCATIONAL & CHARITABLE TRUST

Regd. No. 180/2016

مسجدِ الٰہی کی تعمیر کے لئے تعاون کی اپیل

First Floor Plan of Masjid - e- Elahi at Shaheen Nagar, Hyderabad.

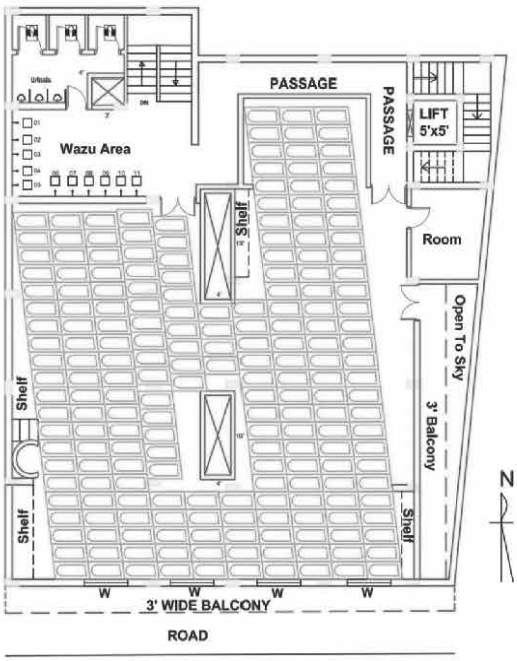

مسجدِ الٰہی زیرِ انتظام شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل اینڈ چیرٹیبل ٹرسٹ حیدرآباد کا تعمیری کام شروع ہورہا ہے۔ الحمدللہ ثم الحمدللہ ایک مخیّرہ خاتون نے 126 گز اراضی ٹرسٹ ہذا کو مسجد کے لئے وقف کردی ہے، اللہ تعالیٰ مخیّرہ کو دونوں جہاں میں بہترین بدلہ دے، آمین۔ مسجدِ الٰہی کی زمین مدرسہ اسلامیہ نجم العلوم وادیٔ عمر شاہین نگر حیدرآباد کا (اقامتی وغیر اقامتی) ادارہ ہے، جو شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل ٹرسٹ کے زیرِ انتظام 2017 سے خدمات انجام دے رہا ہے، بالکل اسی سے متصل ہے۔ مدرسہ ہذا اور بستی کے لئے مسجد ناگزیر ہے، اس وجہ سے آپ تمام حضرات سے گزارش کی جاتی ہے کہ مسجد ہذا کی تعمیری کام میں ایک مصلّیٰ=/13000 روپئے، ایک اسکوائر فٹ=/830 روپئے نقد یا اشیاء کے ذریعہ معائنہ کرکے حصہ لے کر ثوابِ دارین حاصل کریں۔ جزاک اللہ أحسن الجزاء.

Bank Name : IDBI **A/c Number :** 1327104000065876
A/c Name : SHIBLI INTERNATIONAL EDUCATIONAL AND CHARITABLE TRUST
IFSC Code : IBKL0001327. Branch: Charminar
G Pay & Phone Pay : 8317692718, WhatsApp: 9392533661

العارض: حافظ وقاری مفتی ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی خطیب مسجد عالیہ، بانی وناظم مدرسہ ہذا چیرمین شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل ٹرسٹ حیدرآباد